COMMENTARY ON EPHESIANS.

پولس رسول کے خط بنام

افسیوں کی تفسیر

معہ دیباچہ

جسے

اکٹر جے۔ ایچ۔ آربسن صاحب ایم۔ اے ایم۔ ڈی

نے

دان و مبشران انجیل جلیل کے فائدہ اور استعمال کیلئے تصنیف کیا

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی۔ لاہور

سنہ ۱۹۲۶ء

ل (۱۰۰۰)   قیمت ۶/

P. R. B. S. LAHORE.

افسیون کے نام پولس رسول کے خط کی تفسیر

مِن تصنیف

پادری جے۔ ایچ۔ آربسن صاحب ایم۔ اے، ایم۔ ڈی

The publication of this book is assisted by a grant from the Indian Literature Fund of the National Christian Council.

دیباچہ

(۱) خط کا مسئلہ تصنیف

(الف) بیرونی شہادت

تمام قدیم اور بہت سے جدید علمائے دین اس امر پر متفق ہیں کہ اس خط کا مصنف پولس رسول تھا۔ دوسری صدی کے اوائل (سنہ ۱۱۰ء) میں بزرگان کلیسیا مثل روم کا کلیمنٹ اگنیشیس اور پولیکارپ بھی اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں اور دوسری صدی کے اواخر میں ہر جگہ پولس رسول ہی کو اس کا مصنف تسلیم کیا جاتا تھا چنانچہ اسکندریہ کا کلیمنٹ۔ آیرینیس اور طرطولیان اس کو رسول مقبول ہی سے منسوب کرتے ہیں۔

(ب) اندرونی شہادت

ناظرین یہ کہنا کافی ہے کہ سوائے پولس رسول کے اس خط کا کوئی اور مصنف ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ قیاس قرین عقل نہیں کہ دوسری یا تیسری صدی کے کسی شخص کو اس عجیب و غریب خط کا مصنف قرار دیا جائے اور نہ ہی یہ خیال قابل پذیرائی ہو سکتا ہے کہ ایسے اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا خط جو دراصل ایک جوہر بے بہا ہے کسی نقال یا جعلساز کا کام ہو۔ اس خط کی طرز تحریر اور نیز مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا مصنف غیر معمولی قلبی اور روحانی قابلیت کا مالک ہے کہ یہ ایک ایسے مصنف کی تصنیف ہے جس کے دل و دماغ کی طاقتیں نہایت ہی اعلیٰ پایہ کی تھیں اور جس کے الفاظ ان دو ہزار برس کے عرصہ میں تمام مسیحی کلیسیا میں قوت اور صداقت کا ایک خزانہ لاانتہا ثابت ہوئے ہیں۔

اس کی طرز تحریر اور تیز ذہنی اور روحانی خصوصیات پولس رسول سے مختص ہیں آخر میں یہ امر بھی ملحوظ خاطر ہے کہ خط ہذا اور کلسیوں کے نام کا خط لازماً ایک ہی مصنف کی تصنیف ہونگے کیونکہ آپس میں وہ بہت ملتے جلتے ہیں۔

(۲) اس خط کے لکھنے کی تاریخ اور موقع

پولس رسول سنہ ۶۱ء کے موسم بہار (غالباً ماہ مارچ) میں روم میں پہونچا۔ وہاں وہ کامل دو برس ٹھیرا (اعمال ۲۸ – ۳۰) اور اس عرصہ کے قریب الاختتام پر اس پر مقدمہ چلایا گیا اور وہ بری کر دیا گیا۔ گو ان دو برسوں میں وہ مقید تو رہا۔ لیکن اس کی قید میں مقابلتہً آزادی اور آرام تھا۔ وہ اس عرصہ میں کم از کم کچھ مدت تو اپنے کرایہ کے مکان میں رہا (اعمال ۲۸: ۱۶ و ۲۳ و ۳۰) جہاں وہ ایک سپاہی کی زیر نگرانی رہتا تھا لیکن ان سب سے جو اس کے ساتھ ملاقات کرنے کے متمنی ہوتے۔ اسے ملنے جلنے کی کامل آزادی تھی اور اس میں شک نہیں کہ اس کے پاس ہر قسم کے ملاقاتی آتے بھی ہونگے۔ سب سے اول تو روم کے مسیحی باشندے ہونگے۔ جو اپنے بڑے مذہبی پیشوا کے دیدار کے لئے آتے اور جن میں سے بعض کا ذکر تو ایک مقالہ میں جو اس وقت سے کچھ تھوڑا ہی عرصہ قبل قلمبند ہوا تھا (دیکھو رومیوں کو خط ۱۶ باب) پایا جاتا ہے۔ پھر قوم یہود کے نمائندے آتے ہونگے (اعمال ۲۸: ۱۷ و ۲۳) پھر گاہے ماہے دوسرے مسیحی برادران بھی وغیر ممالک کی کلیسیاؤں کی طرف سے قاصد بن کر آتے ہونگے یا رسول کے اپنے ذاتی دوست ہونگے۔ مثلاً فلپی کا اپفرودتس تھسلونیکی کا ارسترخس افسس کا تخکس۔ کلسیہ کا اپفراس۔ مرقس جیسطس۔ لوقا پیارا طبیب (جو غالباً ہمیشہ اس کے پاس رہتا تھا) اور تمطاؤس۔ رسول کا روحانی فرزند جو اکثر اس کی رفاقت میں رہتا تھا۔ ان کے علاوہ ایک قابلِ ذکر نام اور بھی ہے۔ یعنی انیسمس بھگوڑے غلام

کا۔ اس کا ذکر فلیمون کے نام کے خط میں آتا ہے اور اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کس
کس قسم کے لوگ پولس کے پاس آتے ہونگے اور اُس کی صحبت کی ان پر کتنی تاثیر ہوتی ہوگی۔
اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں قیصری پلٹنوں کے بہت سے سپاہیوں (فلپیوں ۱: ۱۳)
اور قیصر کے گھرانے کے بہت سے نوکر چاکروں کو بھی (فلپیوں ۴: ۲۲) پولس کے ذریعہ سے انجیل
کا علم ہوا اور اس ہی کی طفیل اُنہوں نے مسیح کو جانا اور گمان غالب ہے کہ اور بھی بہت سے
ارباب علم و منزلت ایسے تھے جو پولس رسول کی اعلےٰ ترین شخصیت سے اور اس کی تعلیم سے
کہ وہ اہلِ یہود۔ اہلِ یونان اور اہلِ روم کے علم و تہذیب کا مجموعہ تھی لامحالہ متاثر ہوئے تھے۔

(۲) قصہ مختصر پولس اپنے زمانہ قید میں نہایت مصروفانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ کبھی تو روما کی
مشہور و معروف کلیسیا کے مسیحیوں کی حوصلہ افزائی کرتا۔ انہیں صلاح و مشورہ دیتا۔
(فلیمون ۱: ۱۴-۱۷) کبھی انجیل کی منادی کرتا (فلپیوں ۱: ۱۲ و افسیوں ۶: ۱۹-۲۰)۔
ملاقاتیوں سے ملتا۔ ایلچی بھیجتا (افسیوں ۶: ۲۱۔ کلسیوں ۴: ۷-۹ فلپیوں ۲: ۱۹-۳۰)
اور یہ دوستوں کی خاطر و تواضع کرتا اور یہی عرصہ تھا یعنی سنہ ۶۱ع تا سنہ ۶۳ء جس کے
درمیان "زمانہ قید کے چار خطوط" جیسا کہ انہیں پکارا جاتا ہے یعنی خط بنام افسیوں۔
خط بنام کلسیوں۔ خط بنام فلیمون اور خط بنام فلپیوں لکھے گئے تھے۔ لاریب اول الذکر
تین خطوط ایک ہی وقت میں لکھے گئے اور ایشیا کوچک کے ایک ہی خاص حصے کو بھیجے
گئے تھے۔ وہی ایلچی۔ وہی مسئلے اور وہی خاص لوگ ہیں جن کا ان میں ذکر آیا ہے (فلیمون
کلسے میں رہتا تھا) خط بنام فلپیوں غالباً کچھ دیر بعد کا لکھا ہوا ہے اور ہم اس سے
عقلاً یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ نامہ بنام افسیوں سنہ ۶۲ء کے دوران میں لکھا گیا تھا۔ اپفراس
ایشیاء کوچک سے آیا ہوا تھا اور تخکس انیسمس کے ہمراہ وہاں جانیکو تھا۔ ایشیاء کوچک

کی آمدہ خبریں اگر موجب اطمینان تھیں تو اندیشہ ناک بھی کچھ کم نہ تھیں۔ کلیسیاؤں میں زندگی
اور محبت تو کثرت سے تھی لیکن ایک مخفی خطرہ باطل مسیحی تعلیم کی صورت میں سر پر جھوم
رہا تھا جس میں یہودی رسم پرستی اور مشرقِ بعید (غالباً ایران اور ہندوستان) کی
تھیاصوفی کی آمیزش نظر آتی تھی۔ اس تعلیم میں روح اور جسم کے متعلق کئی ایک بھی اور
غیر معقول خیالات پائے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں ان میں ملائکہ سے وہ معجزانہ طاقتیں منسوب
کی جاتی تھیں جو خاص مسیح کی ذاتِ الٰہی سے مخصوص ہیں۔ اس بدعتِ باطلہ کا رسول خاص
طور پر کلسیوں کے خط میں مقابلہ کرتا ہے۔ وہ خط ہذا میں بھی اس بات کا ذکر کرتا ہے۔
لیکن اس ضمن میں موقع پاکر ان اعلےٰ اور بہترین حقیقتوں پر جو کہ یسوع مسیح کی انجیل سے
وابستہ ہیں زور دیتا ہے۔

(۳) رسول کے وہ خطوط جو اُس کی رسالت کے اس زمانہ سے تعلق ہیں ایک خاص محبت
ہمدردی اور شفقت سے بھرے ہوئے ہیں۔ زہد و عبادت (بھگتی) کا مضمون ان میں مہک
مار رہا ہے اور ان کا ایک ایک لفظ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ان کا لکھنے والا ان
گہرے اور عمیق امور سے جو خدا اور انسانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں بخوبی واقف ہے۔ درحقیقت
یہ نوشتے الٰہی نور اور الہام سے پُر ہیں ہاں وہ مسیحی علم ادب کے خوبصورت اور بے بہا جواہر ہیں۔

(۳) یہ خط کس کو لکھا گیا

(۱) غالباً شروع میں خط کے کسی خاص مکتوب الیہ یا پہونچنے کے مقام کا ذکر نہیں تھا بلکہ
وہ جگہ جہاں اب پہلی آیت میں الفاظ "افسس میں" مرقوم ہیں خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ ہم
دیکھتے ہیں کہ پولس دیگر خطوط کی طرح اس خط میں اپنا کوئی ذاتی ذکر نہیں کرتا جیسا

کہ وہ بعض جگہ اپنے ان دیرینہ تعلقات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کہ وہ کسی خاص کلیسیا کے
ساتھ رکھتا ہے سلام و دعا کا نہایت معمولی پیرایہ میں ذکر ہے اور مقامی معاملات کی طرف بہت
کم اشارہ ہے لہذا خیال غالب ہے کہ یہ خط کلیسیاؤں کے ایک مجموعہ کیلئے لکھا گیا تھا۔
یعنی اول اُن کلیسیاؤں کے لئے جو افسس میں جو کہ دار السلطنت تھا پائی جاتی ہیں اور
نیز کلیسیا ہیراپلیس لاودکیہ اور شاید ایشیائے کوچک کی دیگر کلیسیاؤں کے لئے تھا چنانچہ
شاید یہ وہی خط ہے جس کا کلسیون ۴:۱۶ میں اشارہ ہے اگر یہ خیال درست ہے تو یہ
وہ ابتدائی سلام و دعا میں مکتوب الیہ کے مندرج نہ ہونے کا جس کا اندراج بعد میں کیا
جاتا ہے تسلی بخش حل معلوم ہوتا ہے کیونکہ خط کی ہر ایک نقل میں جو کہ ہر ایک کلیسیا میں
بھیجی گئی ہوگی مکتوب الیہ کا نام واضح ہوگا اور چونکہ افسس سب سے زیادہ سرکردہ کلیسیا
تھی ہم تصور کر سکتے ہیں کہ کس طرح وہ مسودہ جو کہ افسس کی کلیسیا سے تعلق رکھتا
تھا دیگر کلیسیاؤں کے لئے ایک نمونہ کا خط بن گیا۔ لہذا وہ الفاظ جو کہ بعد کو اس کی
نقل میں ایزاد کئے گئے کچھ عرصہ کے بعد صحیح متن کا حصہ منظور ہوئے

(۲) شہر افسس جو بحیرہ روم کے ساحل پر واقع تھا۔ ایشیائے کوچک کے رومی صوبہ
کی دار السلطنت تھا اور ایک بڑا تجارتی مرکز۔ وہ اپنے فلسفہ کے مکاتب کے لئے
مشہور تھا نیز مذہبی نکتۂ خیال سے بھی ایک خاص رتبہ رکھتا تھا کیونکہ وہ ان دنوں
ڈائنا دیوی کے مندر کا محافظ سمجھا جاتا تھا اس کی سب سے زیادہ مشہور عمارتیں
ڈائنا کا مندر تھا اور نیز وسیع تماشہ گاہ کی عمارت تھی جس میں نصف لاکھ کے قریب
تماشبین سما سکتے تھے اور جس کے قرب میں جنگلی درندوں کی باہمی اور انسانوں کیساتھ
لڑائیاں کروائی جایا کرتی تھیں (دیکھو وہ حوالے جو کہ قرنتھیوں کے خط میں جو کہ افسس سے

لکھا گیا پائے جاتے ہیں یعنی (۱ قرنتھیوں ۹:۳-۱۷ و ۴:۹ و ۹:۲۴ و ۱۵:۳۲)

(ج) پولوس رسول کو افسس آنے کا پہلا موقعہ اپنے دوسرے مشنری دورہ کے خاتمہ
پر پیش آیا (اعمال ۱۸:۱۹) یہاں اس نے اکولہ اور پرسکلہ کو پیچھے چھوڑ دیا اور وہ اپلوس
کی مدد کے ساتھ اُس کی غیر حاضری میں نہایت خوش اسلوبی سے کام چلاتے رہے۔ بعد
ازاں وہ اس شہر کو واپس چلا آیا۔ اور وہاں دو برس سے کچھ زائد عرصہ تک مقیم رہا۔ غالباً
۵۴ء سے ۵۷ء تک۔ اس عرصہ میں وہ شہر میں روزمرہ مذہبی گفتگو کرتا۔ ٹھیک اسی
طرح جیسا کہ آج کل مشنری کرتے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ترنس کے مدرسہ
میں اس کے درس و تدریس اور بات چیت کی وجہ سے نہ صرف شہر سے بلکہ گردونواح کے
اضلاع سے بھی بہت سے سامعین کھچے آتے تھے۔ مشکلات اور صعوبتیں تو اس کی راہ
میں بہت تھیں لیکن وہ ان مشکلات کو جان توڑ کر کوششوں کا عمدہ موقعہ خیال کرتا
تھا چنانچہ اس ہی کی متواتر وفادارانہ اور دلیرانہ محنتوں کا ثمرہ تھا کہ بہت سے لوگ مسیحی
ہوئے (دیکھو اول کرنتھیوں ۱۶:۸-۹)۔ انجیل کا پیغام جو کہ چہار اطراف میں پھیل گیا اور بہت سی
مستحکم کلیسیائیں قائم ہوئیں جن میں مشہور ترین وہ سات کلیسیائیں ہیں جن سے کتاب
مکاشفہ میں خطاب ہوا ہے۔ ان میں کی ایک افسس کی کلیسیا تھی (دیکھو مکاشفہ ۲:۱-۷)

(د) پولوس رسول افسس کو اس فساد کے بعد جو دیمیتریس نے مچایا تھا۔ (اعمال ۱۹ باب)
چھوڑ کے چلا گیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر وہ واپس نہیں آیا۔ ملک سیریا کے آخری
بحری سفر (۵۸ء) میں وہ میلیتس میں جو وہاں سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر تھا ٹھیرا
اور کلیسیا کے بزرگوں کو بلا بھیجا کہ اس سے ملاقات کریں اور یہاں اس نے انہیں وہ
نہایت مؤثر وداع اور دستور آخری نصیحت بیان فرمائی کہ جس کا ذکر اعمال ۲۰:۱۸-۳۵ میں آیا ہے

معلوم ہوتا ہے کہ تمطاؤس کو اُس علاقہ کی کلیساؤں کی نگرانی سونپی گئی تھی۔ اور مرقس اس کا شریکِ خدمت تھا (کلسیوں ۴: ۹ و ۲ تمطاؤس ۴: ۱۱)۔ کچھ عرصہ بعد یوحنا رسول افسس میں رہنے لگا اور اپنی طویل عمر کا آخری اور مبارک حصہ اُس نے یہیں گذارا (اس کے خط اور صحیفہ مکاشفہ غالباً اسی جگہ شائع ہوئے تھے) افسس میں ایک مسیحی کلیسیا عرصہ دراز تک قائم رہی اور یہی وہ جگہ ہے جہاں ۴۳۱ء میں نسطوریس کی بدعت کے سلسلہ میں ایک مشہور کونسل بیٹھی تھی۔ اب یہ شہر بالکل مسمار ہو چکا ہے۔ وہ مشعل کلام جو افسس میں خوب روشن تھی بعدہ مغرب کو لیجائی گئی تاکہ دیگر چراغوں کو بھی روشن کرے۔

(۴) اس خط کا مقصد اور خاص علامتیں

(ا) کسی صاحب تصنیف کی شخصیت کا صحیح پتہ لگانا مقصود ہو تو اس مقصد کیلئے بجائے اس کی مصنوعی تصنیفات کے اُس کے خطوط بہترین ذریعہ ہوا کرتے ہیں اسی طرح مقدس پولس کے خطوں میں مصنف کی اپنی پُرجوش محبت اور خلوص قلبی مسیحیت کو ہمارے سامنے سچ مچ ایک مجسمۂ حقیقت بنا کر ہمارے زیادہ نزدیک کر دیا۔ وہ اپنے وسیع تجربات سے ان مردوں اور عورتوں کو جن کی ضروریات سے وہ واقف ہے۔ ہمدردی کا اظہار کرتا ہوا خطاب کرتا نظر آتا ہے۔ لہذا نہایت مناسب ہے کہ ہم ان خطوط کا مطالعہ کرتے وقت اُن حالات کا بھی جو بوقتِ تصنیفِ خط موجود تھے لحاظ رکھیں یعنی خود مصنف کی اپنی اور اُن کی حالت کا بھی کہ جن کو وہ خطاب کرتا ہے۔

(ب) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے لکھنے کی محرکِ خاص دراصل وہ خطرناک

خبر تھی جو رسول کو پہونچی تھی کہ بعض لوگ انجیل کی خالص تعلیم کے ساتھ جھوٹی تعلیم کی آمیزش کرتے اور جسکی وجہ سے افسس اور اس کے گردونواح کی کلیسیائیں عظیم خطرے میں مبتلا تھیں۔ علاوہ ازیں رسول کی اپنی غیر حاضری اور قید کی وجہ سے بھی کلیسیائیں دل شکستہ تھیں اور بے پروائی کی طرف زیادہ راغب تھیں۔ رسولِ مقبول انجیل مقدس کی خوبصورت تعلیم۔ صداقت اور طاقت اور اُس کی لاانتہا روحانی دولت کا بیان فرماتا ہے اور خداوند مسیح کے شاندار درجہ اور اس کی منزلت کا ذکر کرتا ہے۔ وہ ساتھ ہی انہیں یہ بات یاد دلا کر ان کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ انہیں بھی اسی بڑی لڑائی میں جس میں وہ خود مصروف ہے حصہ لینا ہوگا اور وہ انہیں روحانی زرہ بکتر لگانے اور اپنے تئیں یسوع مسیح کے ثابت قدم اور وفادار سپاہی ثابت کرنے کی دعوت دیتا ہے گو پولس اگرچہ ایک قیدی تھا لیکن ایک بے خوف لیڈر کی حیثیت سے انہیں فتح کی طرف رہنمائی کئے جاتا ہے

(ج) خط ہذا کی خصوصیت اس کا بار بار آنے والا محاورہ "مسیح میں" ہے جس کا اصل مطلب یہ ہے کہ مسیح کیساتھ زندہ تعلق رکھنے ہی سے ہر ایک مسیحی فرد کو اور کلیسیا کو بخشش بہا برکات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ ان الفاظ جن سے مسیح کے ساتھ رفاقت رکھنے کی طرف اشارہ ہے بکثرت پائے جاتے اور خاص طور پر نمایاں ہیں۔ مثلاً مسیحی "مسیح کے ساتھ زندہ کئے جاتے" ہیں۔ "مسیح کے ساتھ بیٹھتے" ہیں "مسیح کے ساتھ اٹھائے جاتے" ہیں۔ "مسیح کے ساتھ ایک کئے جاتے" ہیں۔ "مسیح جو کہ کونے کے سرے کا پتھر ہے اُس کے ساتھ ایک پاک مقدس بنائے جاتے" ہیں۔ "خدا کی معموری میں حصہ دار" "میراث میں شریک" اور "بدن میں شامل" ہیں۔ اسی قسم کے خیالات پر جو خط ہذا میں پائے جاتے ہیں مسیحی اخلاق کی اعلیٰ تعلیم کا انحصار رکھا گیا ہے۔ حلقۂ گوشانِ مسیح کو نہایت ہی پاک۔ بھرپور اور شاندار زندگیاں

گداز بڑتی ہیں۔ اس لئے کہ خود مسیح ان کے بیچ میں سکونت پذیر ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں رسول مقبول اس بے نظیر مسئلہ کی تشریح کرتا ہے کہ کلیسیا مسیح کا بدن ہے۔ جس کا سر خود مسیح ہے پس لازمی امر ہے کہ یہ بدن مقدس اور غیر آلودہ ہو۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے مسیح دنیا کے آگے اپنی محبت۔ پاکیزگی اور قدرت کا اظہار کرے۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہینگے کہ اس سارے خط کا مضمون ہی کلیسیا ہے جو مسیح کا اپنا بدن ہے اتحاد اور جاہ و جلال کا مضمون ہے یا دوسرے لفظوں میں اس خط کی مرکزی تعلیم ہی کلیسیا ہے جو ایک اعلیٰ منظیم شدہ انجمن یا ایک بڑی عالمگیر اخوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے خدا کی اس ازلی تجویز اور مقصد کو دنیا کی بہتری کے لئے اپنے منظور ہے۔ اظہار پانا ہے اور جس میں محبت الٰہی کے طول اور عرض اور بلندی اور گہرائی کی حقیقت آشکار ہوتی ہے۔ اور اس کے یہ عالیشان خیال بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ کہ تمام بنی آدم کا اتحاد مسیح میں قائم ہونا ہے۔ ان وہی مسیح جو بنی خلقت کا سردار اور ایک عالمگیر سلطنت کا حاکم ازل سے مقرر ہے۔

(د) اس خط میں اگرچہ یہ مختصر ہے مسیحی مذہب کا بڑے سے بڑا مسئلہ اور تمام ضروری فرائض مندرج ہیں۔ یہ خط نہایت ہی عجیب و غریب ہے بلکہ اگر اسے انسانی تصانیف میں سے ایک ایسی تصنیف جو تائید الٰہی سے لکھی گئی ہو کہا جائے تو بجا ہو گا لاریب اس خط پر "الہام" کا ٹھپہ لگا ہوا ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت پائی جاتی ہے اور اس کے بہت سے حصے شاعرانہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ رسول مقبول کے دیگر خطوط کی نسبت یہ بہ لحاظ طرز بیان نہایت خوبصورت ہے اور بہ لحاظ خیالات نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع ہے اور خدا اور انسان کے متعلق ہمارے تصور خیال کو تخیل

کی بلند چوٹیوں پر پرواز کروانا ہے۔ المختصر یہ کہ خط ہذا مسیحی کلیسیا کی ایک گراں بہا دولت ہے جو بلا اعتبار روحانی دولت سے مالا مال ہے اور اس امر کا مستحق کہ ہم بار بار اس کا مطالعہ کریں اور اس پر غور و فکر کیا کریں۔

(۵) خط کا خاکہ

باب	آیات	مضمون
باب اول	۱-۲	سلام اور دعا
"	۳-۱۴	خدا باپ کی حمد کہ اس نے ہمیں چن لیا کہ مسیح میں اس کے لے پالک فرزند ہوں۔ وہ تمام برکات جو مسیح میں روح پاک کی کفالت سے حاصل ہوتی ہیں یہاں مذکور ہوئی ہیں۔ غیر اقوام اور یہودی سب ان برکات میں شریک ہیں۔
"	۱۵-۲۳	افسس کی کلیسیا کے ایمان پر ثابت قدم ہونے کے لئے رسول کی شکرگذاری اور دعا کہ وہ مسیح کی پہچان اور روحانی برکات میں ترقی کرتی جائے۔ بالخصوص اس کی دعا کہ وہ زندہ مسیح کی قوت کا تجربہ کرے۔ جو اب تمام حکومتوں اور طاقتوں سے بھی بلند مقام پر تخت نشین ہے۔ کلیسیا کا خاص فخر اس بات میں ہے کہ مسیح ہی وہ سر ہے کہ کلیسیا جس کی بطور اس کے بدن کے مذکور ہوئی ہے۔
باب دوم	۱-۱۰	ان آیات میں مسیح کی قوت کی ایک اور مثال پائی جاتی ہے کہ کس طرح اس کے پیروؤں کے دل کی نئی پیدائش ہوئی اور کیونکر ان کی زندگی کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ سب خدا ہی کے فضل کی

بدولت ہوتا ہے ان لوگوں کے مقصد اور انجام کا کہ جنہیں نئی زندگی حاصل ہوئی ہے۔ یہاں ذکر ہوا ہے۔

باب دوم ۱۱ - ۲۲ غیر اقوام اور قوم اسرائیل خدا کے فیاضانہ عہد اور سلطنت میں برابر کی حصہ دار ہیں۔ وہ دیوار جو لوگوں کے درمیان حائل تھی مسیح کی قربانی کی ذریعہ جو نہ صرف خدا اور انسان کے درمیان ہی ایک بڑا درمیانی ہے بلکہ انسان اور انسان کے درمیان بھی اب ہٹ گئی ہے مسیح میں اتحاد ہونے کی وجہ سے ہر ایک قوم کے مسیحی متحد ہو کر زمین پر ایک وسیع پاک مقدس کہ جس میں خدا سکونت کرتا ہے۔ بنانے کا موجب ہوتے ہیں۔

باب سوم ۱ - ۱۳ پولس رسول خاص طور پر غیر اقوام میں انجیل کی خوشخبری پھیلانے کے لئے اور انسان کی نجات کیلئے الٰہی انتظاموں کو جو پردہ راز میں تھے منکشف کرنے پر مامور ہوا تھا۔ اس لئے اُس کے دوستوں کے لئے اس کی طرف سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

باب سوم ۱۴ - ۱۹ رسول کی دعا کہ کلیسیا اُسکی پہچان اور روحانی طاقت اور مسیح کی لاانتہا محبت میں ترقی کرتی جائے۔

" ۲۰ - ۲۱ کلماتِ حمد

باب چہارم ۱ - ۱۶ چال چلن کی تعلیم کے بارے میں دعوتِ عمل و التماس کہ تم اپنی اعلیٰ بلاہٹ کے مطابق چال چلیں کلیسیا میں مختلف قابلیتوں والے اور متفرق گُن رکھنے والے افراد ہوتے ہیں ان سب کو باہمی شرکتِ عمل کیساتھ

ایک دوسرے کی تکمیل میں حصہ لینا چاہیئے۔

باب چہارم ۱۷ - ۲۴ پُرانی انسانیت کی جگہ نئی انسانیت آنی چاہیئے۔

" ۲۵ - ۳۲ مسیح میں نئی زندگی کی علامتیں اور ثبوت یعنی راست گفتاری۔ مہربانی۔ پاکیزگی۔ تحمل اور معاف کرنے کی روح۔

باب پنجم ۱ - ۱۴ تقلیدِ الٰہی یعنی خدا کی مماثلت۔ محبت اور ایک دوسرے کو معاف کرنے کے وصف کے بارے میں مسیح محبت اور خود انکاری کی نہایت ہی اعلےٰ مثال ہے۔

" ۱۵ - ۲۱ حقیقی سرگرمی اور شکرگذاری کی روح کے بیان میں۔

" ۲۲ - ۳۳ شوہروں اور بیویوں کو خاص نصیحتیں۔ جیسے مسیح اور کلیسیا میں پاک رشتہ ہے۔ ویسا شوہروں اور بیویوں میں بھی ہونا چاہیئے۔

باب ششم ۱ - ۴ والدین اور بچوں کو خاص نصیحتیں۔

" ۵ - ۹ مالکوں اور نوکروں کو نصیحتیں۔

" ۱۰ - ۱۷ مسیحی اسلحہ کے بیان میں۔

" ۱۸ - ۲۰ رسول کی اپنے لئے دُعا کی درخواست۔

" ۲۱ - ۲۴ تکمیل حال خطِ ہذا کے لئے رسول کی اپنی سفارش اور آخری دُعا

(۶) خط کا خلاصہ

باب اول تجویز و انتظام الٰہی جس کا ظہور مسیح میں ہوا۔

" دوم تجویزِ الٰہی جس کی تکمیل مسیح میں ہوئی۔

باب سوم — مسیح میں تجویزِ الٰہی کا منشاء۔
باب چہارم — مسیح میں ہماری روزانہ چال۔
باب پنجم — مسیح میں ہماری خاندانی زندگی
باب ششم — مسیح میں گناہ پر ہماری فتحیابی

۷ خط پر سوالات

(۱) پولس رسول کا خاص مشن کیا تھا؟
(۲) کن خاص صداقتوں کا اُس نے اعلان کیا؟
(۳) پولس کی دعائیہ عادات کے متعلق یہ خط کیا بیان کرتا ہے؟ کن کے لئے اور کس بات کے لئے وہ دُعا مانگتا ہے؟
(۴) خدا کے بارے میں اس خط کی خاص تعلیم کیا ہے؟ وہ کن کن القاب سے ملقب ہوتا ہے؟ اُس کے انسان کے ساتھ کیا کیا رشتے ہیں؟
(۵) مسیح کا (ا) اپنے باپ کے ساتھ (ب) مسیحی کے ساتھ جو رشتہ ہے اُس کی بابت اس خط کی تعلیم کیا ہے؟
(۶) روح القدس کے بارے میں ہم کیا سیکھتے ہیں؟ کن چھ مقاموں پر روح القدس کا ذکر آیا ہے؟
(۷) ہم مسیح میں نئی زندگی کے بیان میں کیا سیکھتے ہیں؟ یہ جملہ "مسیح میں" کتنے مقاموں میں آیا ہے؟ اس نئی زندگی کی شرائط اور خاص علامتیں کیا ہیں؟
(۸) کیا کافی مطالعہ اور دعا کے بغیر ہم اس خط کو سمجھ سکتے ہیں؟

نوٹ: تمام حوالوں کو بغور دیکھو۔ ان سے مطلب سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

(۸) ہندوستان کی کلیسیا کیلئے اس خط میں کون کون سے سبق یا نصیحتیں نکل سکتی ہیں

(۱) **تعلیم کا سبق**۔ کلیسیا تب ہی تک سرسبز اور اقبالمند ہوگی جب تک کہ وہ نہایت ایمانداری کے ساتھ بائبل کی اور بالخصوص عہد نامۂ جدید کی خالص اور سادہ تعلیم کی پابند رہے۔ انسانی دماغ قیاسی اور کفر آمیز تفسیروں کی طرف راغب ہے مگر اس سے ابتری اور نقصانِ عظیم واقع ہوتا ہے لیکن کتابِ مقدس اپنی بہترین مفسر خود آپ ہے۔

(۲) **اتحاد کا سبق**۔ ہندوستان میں مختلف اور متضاد عنصر پائے جاتے ہیں۔ فقط ایک ہی طاقت ہے کہ جس سے تمام جماعتیں متحد ہو سکتی اور جس سے ان کی دلی تمنائیں پوری ہو سکتی ہیں۔ چاہے وہ تمنائیں ملکی۔ معاشرتی یا مذہبی تمنائیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ خداوند یسوع مسیح کو صدقدلی اور سنجیدگی کے ساتھ قبول کرنے اور اس کے حکموں پر عمل پیرا ہونے کی طاقت ہے۔ مسیحیوں کو مسیح کے بدن کے انگ ہونے کی وجہ سے جہاں تک ممکن ہو سکے آپس کے خاندانی۔ ذات پات کے۔ قومی یا جماعتی اونچ نیچ کے مخمصوں میں نہ پڑنا چاہئے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ وہ باہمی برداشت اور مشارکت کیلئے متحد ہو جائیں۔ صرف مضبوط اور مستقل اتحاد ہی کے ذریعہ کلیسیا تمام مخالف طاقتوں کا مقابلہ کر سکیگی۔ اور صداقت کی متحد اور زندہ شہادت دیتے اور اُس کے مشن کو دنیا میں بطیبِ خاطر پورا کرنے کے قابل ہوگی۔

(۳) **پیشوائی کا سبق**۔ نہایت ضروری امر ہے کہ جس طرح پولس اور اُس کے رفقاء

نے خداوند کی بلاہٹ کو سُنا ۔ ویسے ہی لائق اور فائق اور ہر طرح سے قابل ہندوستانی
مسیحی بھی خداوند کی بلاہٹ پر کان دھریں اور ایک ایسی قسم کی دیسی کلیسیا کو جو اپنے مصارف
آپ اُٹھانے والی ۔ اپنا انتظام آپ کرنیوالی اور اپنے آپ بڑھنیوالی ہو ۔ قائم کرنے اور
اُسے نشوونما دینے میں کماحقہٗ حصہ لیں جیسی کہ ابتدائی کلیسیا کو تھی ۔ آج بھی تعلیم یافتہ
اور مقدس زندگیوں والے رہنماؤں کی کہ جو مختلف اوصاف اور قابلیتوں کے مالک ہوں ۔
اشد ضرورت ہے ۔

(۴) **اُمید کا سبق** ۔ جو حال کلیسیا کا ابتدائی زمانہ میں تھا سو حال آج بھی ہے ۔ کہ
ہندوستانی کلیسیا کمزور اور حقیر سمجھی جاتی ہے ۔ اس میں اعلیٰ خاندان ۔ درجے اور تعلیم
والوں کی بہت کمی ہے تاہم ہمیں مثل یورپ کے ایشیا میں بھی آخری فتح کی اُمید بلکہ یقین ہے ۔

(۵) ہندوستانی اقوام کا رجحان خاص طور پر مذہبی معاملات اور روحانی تعلیم و تربیت کی
طرف رہا ہے اور وہ دُنیاوی اُمور کی نسبت روحانی معاملات پر ہمیشہ بڑا زور دیتے رہے
ہیں ۔ اس لئے اُن سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ مسیح کی حقیقی روح کو اور اُس کی نہایت
ہی گہری تعلیم کو سمجھ کر اُس کا اظہار بھی کریں اور اس دُنیا میں خدا کی اُس پاک ترین ہیکل
کا کہ جس کا ذکر رسول کرتا ہے ۔ بنانے میں خاص اور قابل قدر حصہ لیں ٭

تفسیر

باب اوّل آیات ۱-۲

۱۔ **پولس** ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچپن سے ہر دو ناموں یعنی ساؤل اور پولس
سے پکارا جاتا تھا پہلا نام تو اس کا یہودی خاندانی نام تھا اور دوسرا نام ترسس میں کہ
جہاں اس کا خاندان مقیم تھا غیر اقوام میں مستعمل تھا اس لئے مسیحی ہونے کے بعد وہ اپنی عام
خدمت کے عرصہ میں زیادہ تر اسی نام سے موسوم رہا ۔

مسیح یسوع کا رسول ۔ رسول کا لقب تین معنوں میں مستعمل ہوا ہے ۔
(ا) اُس کے اصلی مفہوم یعنی قاصد کے معنوں میں (یوحنا ۱۳:۱۶ ۔ فلپیوں ۲:۲۵ ۔ ۲ کرنتھیوں ۸:۲۳)
(ب) **مشنری** کے معنوں میں یعنی ایک ایسا شخص جو کلیسیا کی طرف سے بشارت انجیل کے
لئے مقرر ہوا (اعمال ۱۴:۱۴ ۔ رومیوں ۱۶:۷)
(ج) مسیح کے مختار یا ایلچی کے معنوں میں جسے خود مسیح نے اپنی نام کی خدمت کیلئے چنا تھا ۔ جیسے
اُس نے پورا اختیار دیکر بھیجا تھا کہ اُس کی طرف سے ہو کر تبلیغ اور کام کرے ۔ پولس اس اصطلاح کے
حقیقی مفہوم اور اس کے متعلقہ حقوق پر بہت زور دینا اکثر اوقات ضروری سمجھتا تھا (۱ کرنتھیوں ۹:۱ ۔
۲ کرنتھیوں ۱۲:۱۲ ۔ گلتیوں ۱:۱ ۔ نیز دیکھو اعمال ۹:۱۵)

نوٹ ۔ اس جگہ مسیح یسوع آیا ہے (جس میں مسیح پہلے آیا ہے) مسیح کے بادشاہ ہونے کو
واضح کیا گیا ہے ۔ پولس جو پہلے مسیح کا جانی دشمن تھا اب اُسے خداوند تسلیم کرتا ہے
مقدسوں کے نام ۔ پرانے عہدنامہ کے مطابق اسرائیلی مقدس کہلاتے تھے کیونکہ

وہ اور اقوام سے علیحدہ اور یہوواہ کے لئے مخصوص شدہ قوم تھی۔ نئے عہدنامے میں یہ لفظ مسیحیوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے محض اس خیال سے نہیں کہ وہ بیرونی طور پر ایک نئی جماعت یا کلیسیاء ہے بلکہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو مسیح کے خون سے خریدے اور صاف کئے گئے ہیں۔ گناہ سے علیحدہ کئے گئے ہیں اور خدا کے استعمال اور خدمت کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ دیکھو ۲ تیمتھیس ۲: ۱۹-۲۱۔ کیا اس نام کا اطلاق ہم مسیحیوں پر ان دنوں ہو سکتا ہے؟

اِفسس میں۔ بعض پرانے پرانے نسخوں میں یہ الفاظ غیر موجود ہیں (دیکھو دیباچہ ۹۰۳)

ایماندار (یعنی مقدس۔ یہ جدا جدا جماعتیں نہیں بلکہ ایک ہی ہے یعنی وفادار مقدس یا مقدس ایماندار۔ لفظ "ایماندار" اکثر مسیحیوں کے لئے مستعمل ہوا ہے (اعمال ۱۰: ۴۵ و ۱۶: ۱، ۲ کرنتھیوں ۶: ۱۵ کلسیوں ۱: ۲ اور ۱ تیمتھیس ۴: ۳ و ۴: ۱۲ و ۵: ۱۶ و ططس ۱: ۶)

اس لفظ کے معنی نہ صرف قابل اعتبار کے ہیں بلکہ پُر از ایمان کے ہیں یعنی ایمان کو بڑے بڑے سخت اور کٹھن موقعوں پر ظاہر کرنیوالے۔ موت تک ایماندار۔

مسیح یسوع میں۔ ان الفاظ کو خط کے شروع سے آخر تک بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ دیکھو نوٹ متعلقہ آیت ۳ اور دیباچہ دفعہ ۶۔

۲۔ یہ الفاظ تمام رسول برکت کے طور پر استعمال کرتے ہیں (ہر ایک خط کے افتتاحی الفاظ ملاحظہ فرمائیے)

فضل۔ خدا کی خوشنودی اور لاانتہا محبت جو تمام برکتوں کے چشمہ سے صادر ہو کر افراط کیساتھ ہر ایک تر و خشک تک پہنچتی ہے اور بارش اور سورج کی روشنی کی طرح ہر ایک نیک و بد کو مفت دی جاتی ہے۔ نئے عہدنامہ کے معنوں میں اس لفظ سے مراد وہ الٰہی

محبت ہے جو انتہائی درجہ کے غیر مستحق شخص کو بھی محروم نہیں رکھتی۔

اطمینان۔ روح کی وہ شانتی اور خوشحالی جو کہ صرف خدا دے سکتا ہے اور جو سمجھ سے باہر ہے اس سے پوری قناعت اور کامل راحت قلبی مراد ہے۔ ہاں تسلی کامل (تسلی) گو چاروں طرف شور و غل۔ انقلابات اور تکلیفات ہوں (متی ۱۱: ۲۸، ۲۹ و یوحنا ۱۴: ۲۷ و زبور ۲۹: ۱۱ و یسعیاہ ۲۶: ۳ و ۴۸: ۱۸)

نوٹ۔ الفاظ فضل اور اطمینان بائبل کے سب سے خوبصورت اور پُر مطلب الفاظ میں سے دو ہیں۔

ہمارے باپ خدا۔ گو عام معنوں میں بائبل شروع سے آخر تک اشارتاً یا صراحتاً خدا کے باپ ہونے کی تعلیم دیتی ہے لیکن نئے عہدنامے میں ہمارا اور خدا کا ایک خاص اور نزدیکی تعلق دکھایا جاتا ہے۔ ایسا کہ ہم اس کے فضل کے عہد کے ذریعہ اور روح القدس کے وسیلے سے نئی پیدائش پا کر اور خدا کے بیٹے کے ساتھ وصال حاصل کر کے حقیقی معنوں میں اس کے بیٹے اور بیٹیاں کہلاتے ہیں۔ دیکھو یوحنا ۱: ۱۲ و رومیوں ۸: ۱۴ وغیرہ گلتیوں ۴: ۶ و ۱ یوحنا ۳: ۱ و ۲۔

خدا باپ ہونے کی حیثیت میں اپنی سیرت اور اوصاف کو اپنے بچوں پر ظاہر کرتا ہے۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ ہماری انسانیت میں الٰہی عنصر ہے۔ یکساں طور پر خدا باپ اور خداوند یسوع مسیح۔ وہ خدا کے ساتھ تمام برکتوں اور اچھی نعمتوں کا بانی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ہم اس کی بھی اسی طرح اطاعت اور عبادت کریں جس طرح خدا کی کرتے ہیں۔ اس قسم کے اشارے مسیح کی الوہیت پر بڑے زور سے دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ رسولوں کے اس پختہ ایمان کو ظاہر کرتے ہیں جو خود خداوند یسوع مسیح کی شخصیت کے اثر

سے اُن کے دلوں پر جاگزین ہے۔ بالخصوص پُولس کی یہ گواہی جو کہ پہلے مسیح کا دشمن اور ستانے والا تھا قابل قدر ہے۔

باب اول آیات ۳-۱۴۔ تعریف اور شکر گذاری کا خطاب

(ا) آیات ۳-۶۔ آسمانی باپ کی تعریف کہ اس نے اپنے ازلی پر فضل ارادے کے مطابق مسیح میں اپنے فرزندوں کو چن لیا

(ب) آیات ۷-۱۲۔ تعریف ان عجیب روحانی برکتوں کیلئے جو اس انتخاب کا نتیجہ ہیں اور جو سب کی سب ہمارے منجی اور خداوند میں پائی جاتی ہیں۔

(ج) آیات ۱۳-۱۴۔ تعریف کہ یہ بخششیں ہمیشہ کیلئے روح القدس کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہیں۔

آیات ۳ تا ۱۴ پر نوٹ۔ پُولس کے اور خطوط کی طرح اس خط میں بھی ابتدائی سلام و دعا کے بعد شکر گذاری کا ذکر ہے اس خط میں شکر گذاری زیادہ طول طویل اعلیٰ الفاظ میں اور ذرا پیچیدہ صورت میں پائی جاتی ہے یہ الفاظ نہایت ہی بلند رتبہ الہامی الفاظ میں سے ایک ہیں۔ اور تمام کی سیر کرنے کے لئے باب اعظم کا کام دیتے ہیں

۱۔ اس عبارت میں گویا رسول نجات کی تجویز کی ترقی اور تکمیل پر ایک نظر ڈالتا ہے۔ وہ گویا پیچھے کی طرف دیکھتا ہے اور انسان کی نجات کے ماخذ اور منبع کا ملاحظہ کرتا ہے جبکہ نجات کا خیال ابھی خدا کے دل و دماغ میں مخفی تھا۔ اس کے بعد وہ آگے نظر دوڑاتا ہے اور مستقبل کو دیکھتا ہے جبکہ وہ اپنے عروج و کمال کو پہنچ چکیگی۔ لہذا رسول خدا کی نجات بخش محبت کے جلال کی تعریف تینوں زمانوں کو مدنظر رکھتا ہوا کرتا ہے یعنی

خدا کی محبت اس کے گذشتہ ارادوں میں۔ موجودہ برکتوں میں۔ اور آئندہ کمال میں۔ اور یہ تعریف ان الفاظ "اس کے فضل کے جلال کی ستائش ہو" میں کی جاتی ہے (آیات ۶ و ۱۲ و ۱۴)

۲۔ علاوہ ازیں اس مقام میں مسئلہ برگزیدگی کا صاف بیان ہے اور اس کے متعلق رسول کے خیالات بھی واضح ہیں۔ اور یہ انجیل کی بلائی عمارت کے لئے ایک نہایت ہی مضبوط اور پائیدار بنیاد بہم پہنچاتا ہے اور بجائے یہ خیال کرنے کے کہ یہ مسئلہ انسانی فطرت اور آزادئی مرضی کے اعلےٰ تصور کو اس کے رتبہ سے گرا دیتا ہے۔ ہماری نظروں میں اس تعلیم سے ان کی قدر و منزلت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ رسول ہرگز یہ نہیں کہتا کہ افراد ابدی تباہی اور اذیت کے لئے ازل سے چن لئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس جگہ اور دیگر مقاموں میں ان کی یہی تعلیم ہے کہ وہ دنیا یا کلیسیا میں اعلےٰ یا ادنےٰ درجوں کے لئے اس غرض سے مقرر کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ کسی خاص خدمت کو انجام دیں اس لئے انہیں کم و بیش عزت اور رتبہ کیلئے منتخب کیا جاتا ہے (رومیوں ۹: ۲۱ و ۲ تمتھیس ۲: ۲۰)۔ رسول یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ بعض اشخاص کے حق میں خدا کے ازلی ارادے کے مطابق یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دل سخت کر دئے جائیں کیونکہ وہ اس سے پیشتر دیدہ و دانستہ خدا کی مرضی کو رد کرتے رہے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے رہے۔ دل کا سخت ہونا گویا ان کے گذشتہ گناہوں کی سزا تھی۔ (دیکھو متی ۱۳: ۱۳-۱۵ و یوحنا ۱۲: ۳۹ و ۴۰ و رومیوں ۹: ۱۷ و ۱۱: ۳۲ اور مقابلہ کرو ۲ تھسلنیکیوں ۲: ۴)

علاوہ ازیں رسول ازلی ارادے کی تعلیم اس طرح بھی پیش کرتا ہے یعنی یہ کہ مسیح کامل انسان بنا اور ہر ایک شخص کے لئے کامل انسانیت تک ترقی کرنا ممکن ہو گیا بشرطیکہ انسان مسیح کے نمونے کو مدنظر رکھکر الٰہی ازلی ارادے کے مطابق اپنی قوت مرضی کو بھی استعمال کرے۔ اور اس معیار تک ترقی کرنے کی کوشش کرے یا یا لفاظ دیگر یوں کہیں کہ خدا بعض اشخاص کو

اپنے ازلی ارادے کے مطابق چن لیتا ہے کہ وہ اس کے بیٹے کی مانند بن جائیں یہی خدا کی
وہ عجیب و غریب تجویز ہے جو اس نے زمانۂ ازل سے انسان کے لئے مقرر کی ہے۔ اور
اس نے ہمیں آزاد مرضی عنایت کی ہے تاکہ ہم اپنی خوشی سے اپنی مرضی اُس کی مرضی کے
مطابق بنائیں اور اُس کے فضل کے ازلی ارادے کے ساتھ ملکر کام کریں چنانچہ انسان
اسی دنیا میں خدا کا ہم خدمت ہو سکتا ہے۔ اسی بات میں انسان کی عظمت اور بزرگی
ہے اور اسی میں اس کی حقیقی خوشی اور کامیابی کا راز مخفی ہے۔ اسی خیال سے ہمیں
تقویت حاصل ہوتی ہے اور یہی خیال ہماری برداشت اور مستقل مزاجی کا باعث ہوتا
ہے۔ اسی خیال سے ہمیں طاقت اور مدد ملتی ہے کہ ہر ایک تکلیف کا مقابلہ کرسکیں اور
ہر ایک رکاوٹ اور مشکل پر فتح پاسکیں۔ ہم ایک اعلےٰ طاقت کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلیوں
کی طرح نہیں اور نہ ہی کسی بڑی مشین کے پرزوں کی طرح ہیں لیکن چونکہ ہماری سیرت
الہٰی سیرت کے نمونہ پر بنائی گئی ہے۔ اس لئے ہم الہٰی ارادوں کے انجام دینے میں بھی
حصہ رکھتے ہیں اس کام کے لئے ہمیں ازل سے مخصوص کیا گیا ہے دیکھو نوٹ متعلقہ آیات
ہذا۔ اس میں شک نہیں کہ محدود علم رکھنے کی وجہ سے ہم ابھی پورے طور پر اس رشتہ
اور تعلق کو جو خدا کے ازلی ارادوں اور انسان کی آزاد مرضی میں پایا جاتا ہے سمجھ نہیں
سکتے لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ تمام راز ہم پر کھول دیئے جائینگے (۱ یوحنا ۳: ۲ و رومیوں
۸: ۱۸ و ۲ کرنتھی ۴: ۱۷)

مذکورہ بالا آیات کا خلاصہ

ہمیں اپنے خدا اور باپ کا تہِ دل سے شکرگذار ہونا چاہیئے جس نے اپنے بیٹے
یسوع مسیح میں انسان کو آسمانی خوشیوں اور اپنے فضل کی بے پایاں دولت کا حصہ

دار بنایا۔ زمانۂ ازل سے اُس نے اپنے بے عیب اور پاک بیٹے کو انسانیت کا کامل نمونہ تصوّر
کیا اور بشر کو بھی ازل سے چن لیا کہ اس کے ذریعہ سے اُس کی فرزندیت کے حقدار ٹھہریں
اُس نے اپنے پیارے بیٹے کو دنیا میں اس لئے بھیج دیا کہ انسان کے لئے خدا کا فرزند بننا
ممکن ہو سکے۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ ان کے گناہ معاف ہو چکے اور وہ نجات یافتہ ہو
گئے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ تبدیل شدہ انسان کی فطرت کو الہٰی دانائی اور دوراندیشی
کے لباس سے ملبس کرتا ہے تاکہ وہ الہٰی بھیدوں کی فہم کا اہل ہو سکے۔ یہ قابلیت خدا
کے فضل سے مسیح میں ہوکر انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ وہ اُس کی سیرت میں شریک
ہوجاتے ہیں (جیسا کہ وہ ہماری سیرت میں شریک ہوگیا) اور یہ برکتیں ہر ایک کو [illegible]
ملتی ہیں خواہ وہ یہودی ہو یا غیر قوم جو مسیح کو ایمان کے ذریعہ سے قبول کر لیتا ہے ایماندار
پر یہ حقیقت تجربہ اور رُوح القدس کی گواہی سے روشن ہو جاتی ہے جو کہ انسان کو یقین
دلاتا ہے کہ نجات کا وہ کام جو اُن کی زندگیوں میں شروع کیا گیا ہے کمال تک
پہونچایا جائیگا

۲۔ الفاظ "یسوع مسیح کے خدا اور باپ" جو خط کے شروع میں درج ہیں۔
۲ کرنتھی ۱: ۳ و ۱ پطرس ۱: ۳ میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن مدعا جدا جدا ہیں۔ ان الفاظ کے
متعلق مقابلہ کرو متی ۱۱: ۲۵- ۲۷ و ۲۷: ۴۶ و یوحنا ۴: ۲۲ و ۱۷: ۱ و ۲۰: ۱۷ و رومیوں
۱۵: ۶ و عبرانیوں ۱: ۸ و ۹ و افسیوں ۱: ۱۷۔

یہ الفاظ بڑی وضاحت کے ساتھ اس تعلیم کو ظاہر کرتے ہیں جس پر مسیح نے بڑا زور
دیا کہ اس میں ہوکر خدا ایک خاص معنی میں ہمارا باپ ٹھہرتا ہے۔

نوٹ۔ نئے عہدنامہ کی تعلیم میں یہ بھی اشارۃً دکھایا گیا ہے کہ بیٹا اور روح القدس خدا

باپ کے تابع ہیں۔

خدا اور باپ کی حمد ہو۔ وہ لفظ جس کا ترجمہ "حمد" کیا گیا۔ نئے عہدنامہ میں آٹھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اور ہر مرتبہ کسی الٰہی شخصیت کے متعلق۔ عبرانی میں "ہلیلویاہ" مستعمل ہے جس کے معنی "الحمد للہ" کے ہیں۔ یہ الفاظ اس تمجید کا اظہار ہیں جو ہر ایک انسان کے دل سے خدا کیلئے نکلتی ہے اور جس میں تمام دنیا شریک ہو سکتی ہے۔ لاکلام تمام مخلوق اپنے خالق رازق اور محافظ کی حمد کرتے ہیں جس سے انہیں ہر ایک اچھی نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ہم کس قدر خوش وخرم وشکرگذار ہوتے ہیں جب خدا اپنے آپ کو اپنے بیٹے کے ذریعہ ہمارا باپ ظاہر کرتا ہے۔ جسے اس نے اس لئے دنیا میں بھیجا تاکہ اس کے پُرفضل اور پُرمحبت ارادوں کو جو ہمارے یعنی اس کے بچوں کے متعلق تھے پورا کرے۔

نوٹ۔ جب ہم اپنے خداوند یسوع مسیح کی الوہیت پر زور دیتے ہیں تو ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ہماری طرح انسان بھی تھا اور انسانی محدودیت کے دائرے سے باہر نہ تھا تبھی تو وہ ہمارا بھائی۔ درمیانی اور منجی ہونے کے قابل ٹھیرا۔ (عبرانیوں ۵: ۱۲ و ۸ و ۹)

ہر طرح کی روحانی برکت۔ خدا تنگدلی سے کبھی نہیں دیتا اور اس کی اعلیٰ ترین برکتیں وہ ہیں جو نہ کہ جسم سے بلکہ روح سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً روح کی نئی پیدائش جو ہمیں زیادہ خدا کے مشابہ کر دیتی ہے۔ مسیح میں ہماری نئی زندگی۔ روح القدس کیساتھ ہماری روح کی شراکت۔ وہ تسلی۔ اطمینان۔ راحت۔ قوت اور گناہ پر فتح جو ہمیں روح القدس کے ہمارے اندر بود وباش کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔

سوال۔ کیا ہم اپنی تمام نعمتوں کی قدر کرتے ہیں؟ اور انہیں تسبیح کے منکوں کی طرح ایک ایک کر کے گنتے ہیں؟

آسمانی مقاموں پر۔ یہ الفاظ اس خط میں چار مرتبہ استعمال ہوئے ہیں اور بجز اس خط کے اور کسی جگہ نہیں پائے جاتے (دیکھو ۱: ۲۰ و ۲: ۶ و ۳: ۱۰ و ۴: ۱۰) ان الفاظ سے ذیل کے معانی مراد ہیں۔

(۱) وہ روحانی اور آسمانی طبقہ مراد ہے جس میں ہم ترقی کر کے داخل ہو جاتے ہیں۔ اور ان روحانی نعمتوں کے حقدار ہو جاتے ہیں۔ جنکا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے یا بالفاظ دیگر ان سے وہ آسمان مراد ہے۔ جو کہ ہر ایک سچے مسیحی کے اندر اور اردگرد پایا جاتا ہے۔ اس آسمانی طاقت کا لطف ہم اس زندگی میں اٹھاتے ہیں۔ "تمہاری زندگی مسیح کے ساتھ خدا میں چھپی ہوئی ہے" (کلسیوں ۳: ۳)۔ "ہمارا وطن آسمان پر ہے" (فلپیوں ۳: ۲۰)۔ اس کے ساتھ دیکھو۔ کلسیوں ۱: ۱۳ اور ۳: ۱ - بہت سے مسیحی ایسے ہیں کہ آسمانی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے فعل حال کے بجائے فعل مستقبل استعمال کرتے ہیں

(۲) ان الفاظ سے وہ آسمانی عالم بھی مراد ہے جہاں خدا اور اس کے فرشتگان سکونت کرتے ہیں اور جہاں ہمارا بھی حصہ ہے۔ (عبرانیوں ۱۱: ۱۶) افسوس کا مقام ہے کہ دنیا میں بہت ایسے لوگ ہیں کہ جن کے دل اور نظریں زمین کی چیزوں پر لگی ہوئی ہیں۔ اور برکتوں کو دیکھ نہیں سکتے وہ مٹی کو سونے پر ترجیح دیتے ہیں۔

مسیح میں۔ ان الفاظ کو تمام خط کی کلید سمجھنا چاہئیے (دیکھو ۱: ۶ و ۱: ۷ و ۲: ۱۰ و ۳: ۱۲) یہ الفاظ بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ "تمام چیزیں اس میں۔ اس کی طرف سے اور اس کی وساطت سے ہیں"۔

تمام برکتیں مسیح میں پائی جاتی ہیں۔ ایماندار مسیح میں جیتے مرتے زندہ کئے جاتے

اور اعلیٰ مقاموں میں پہونچائے جاتے اور سلطنت کرتے ہیں اور ایک نئی - آسمانی اور جلالی زندگی میں قدم مارتے ہیں - وہ ہماری نجات کا الف اور آمیگا ہے -

نوٹ - ایماندار کی مسیح کے ساتھ اندرونی اور روحانی شراکت کی اعلےٰ تعلیم اس خط میں بڑی وضاحت اور صفائی کے ساتھ پیش کی جاتی ہے - علاوہ ازیں یہ خط مسیح کی گہری تعلیم جو ایماندار کے "اس میں قائم رہنے" کے متعلق ہے ایک عمدہ تفسیر ہے (مقابلہ کرو یوحنا ۶: ۵۶ و ۱۴: ۲۰ و ۱۵: ۲ - ۷ کا افسیوں ۵: ۳۰ کیساتھ) "مَیں مسیح میں اور وہ باپ میں یہی بھاری بھید ہے"۔ اس مضمون یعنی "مسیح میں" کے متعلق پولس رسول کی تعلیم کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا - (دیکھو رومیوں ۸: ۱ و ۱ کرنتھی ۱۵: ۱۸ و ۲ کرنتھی ۵: ۱۷ وغیرہ)

سوال - کیا میں نے درحقیقت وہ تمام برکتیں جو کہ "مسیح میں" میرے لئے موجود ہیں - حاصل کر لی ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

آیات ۴ و ۵ - اُس نے ہم کو چن لیا - خدا کے تعلقات میں جو وہ بنی آدم سے رکھتا ہے کوئی بات اتفاقیہ یا بغیر دُور اندیشی کے سرزد نہیں ہوتی - اس کا علم اور دانائی مثل اس کے فضل کے لامحدود ہیں - بنائے عالم سے پیشتر اس نے نوع انسان کیلئے نجات کی تجویز پختہ کر رکھی تھی - کیونکہ وہ اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ گناہ دنیا میں آجائیگا - اس لئے اس کا علاج بھی اس نے تیار کر رکھا تھا - لیکن نجات کیلئے **ایمان** شرط ہے اور تمام جو خدا کی اس دعوت کو ایمان کے ذریعہ سے قبول کر لیتے ہیں **وہ چنے ہوئے** کہلاتے ہیں - اس میں شک نہیں کہ خدا کی مرضی ہماری مرضیوں پر قادر اور اُن سے اعلےٰ ہے - لیکن خدا کی مرضی کے پورا ہونے کے لئے بھی ذریعہ کی ضرورت ہے وہ جو کہ کامل اختیار والا ہے اُسے یہ پسند آیا کہ وہ ہمیں بھی آزاد مرضی عطا کرے تاکہ ہم ایمان کو کام میں لاتے

وقت اپنی عقل اور انتخاب کی طاقتوں کو بھی کام میں لائیں - دیکھو رومیوں ۸: ۲۸ - ۳۴ -
آیات مذکورہ اس مضمون کو خوب واضح کر دیتی ہیں۔ پرانے عہدنامہ میں بنی اسرائیل "برگزیدہ" "چنے ہوئے" کہلاتے ہیں اور عہدنامہ میں چنے ہوئے یعنی ایماندار خدا کے اسرائیل کہلاتے ہیں (گلتیوں ۳: ۲۰ و ۶: ۱۶ و رومیوں ۴: ۱۱)

نوٹ - چن لینے کی **حقیقت** پر اتنا زور نہیں دینا چاہیئے جتنا چن لینے کے **مقصد** پر ہمیں برگزیدگی کے مسئلہ کے متعلق چنداں ہراساں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنے بڑے فضل سے **اُن تمام کو چن لیا** اور مدعو کیا جو ایمان محبت اور پوری اطاعت کیساتھ اپنے آپکو اس کے حوالے کر دیتے ہیں - علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جو خاص نعمتوں کیلئے چنے گئے ہیں اُن کے کاندھوں پر خاص خاص فرائض اور ذمہ داریاں رکھدی گئی ہیں - افراد اور اقوام اسی غرض سے چنی گئی ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے خاص خدمات انجام دیں نہ محض اپنی بہتری و بہبودی کو ہمیشہ مدنظر رکھیں -

بنائے عالم سے پیشتر - یعنی ازل سے - پیشتر اس کے کہ کوئی چیز خلق کیگئی ہو مقابلہ کرو متی ۲۵: ۳۴ و یوحنا ۱۷: ۲۴ اور ۱ پطرس ۱: ۲۰ و ۱ کرنتھی ۲: ۷ و رومیوں ۱۶: ۲۵ و ۲ تیمتھیس ۱: ۹ و ططس ۱: ۲ کیساتھ - یہ تصور کیا بلند پایہ اور ذی شان معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے خلق کئے جانے سے پیشتر ہم خدا کے خیالوں میں جگہ رکھتے تھے - اور کہ خدا نے اس کرۂ ارض کو اپنی قدرت اور محبت کے جلالی نظاروں کا منظر بنانے کے لئے ازل سے منتخب کر لیا تھا کیا ہی عجیب بات ہے کہ اس دنیا کے بنائے جانے سے پیشتر میں اور آپ خدائے ذوالجلال کے خیالوں اور فکروں میں جگہ رکھتے تھے خدا اس

امر سے بھی ناواقف نہ تھا کہ گناہ دُنیا میں داخل ہوگا۔ لیکن کسی نہ کسی اعلےٰ اور مفید نتائج کو مدِنظر رکھتے ہوئے اُس نے گناہ کو دُنیا میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ لیکن گناہ، بدنظمی اور بے ترتیبی عارضی ہیں باوجود خدا کے انتظام میں انسان کی نجات اس موذی کی دافع مقرر ہوئی ہے (رومیوں ۸: ۱۹-۲۷) کیونکہ خود خدا کا بیٹا جس کے ذریعہ سے اور جس کی خاطر تمام چیزیں خلق کی گئیں۔ زمانۂ ازل سے ذبح کا برّہ مقرر ہوا تھا "جو بنائے عالم سے ذبح ہوا ہے" (مکاشفہ ۱۳: ۸ ورکلسیوں ۱: ۱۳-۲۲)

محبت میں پاک اور بے عیب۔ یہ قربانی کا استعارہ ہے۔ وہ قربانی جو کہ مخصوص ہوکر خدا کے حضور میں پیش کی جاتی ہے دیکھو رومیوں ۱۲: ۱

نوٹ۔ ایمانداروں کو کس خاص مقصد سے خدا نے برگزیدہ کیا ہے؟

(۱) اس مقصد سے کہ وہ خدائے پاک کی نظر میں بحال کئے جائیں اور ان کا مرتبہ پھر انہیں عطا کیا جائے کیونکہ وہ مسیح میں جو اُن کا کفارہ اور نعم البدل ہے (رومیوں ۶: ۲وغیرہ وکلسیوں ۱: ۳) رفاقت رکھنے سے پاک اور بے عیب سمجھے جاکر قبول کئے گئے ہیں۔

(۲) تاکہ اُن کی زندگیاں ترقی کرتے کرتے **مقدسوں** کی زندگیوں سی ہوجائیں اور تمام ناپاکی سے معرّا ہوجائیں (۲کرنتھی ۷: ۱) اور خدا کے لئے مخصوص کئے جائیں اور تاکہ وہ آخر میں انہیں اپنے پُرجلال حضور میں کمال خوشی کیساتھ بے عیب کرکے کھڑا کرے۔ (افسیوں ۵: ۲۵-۲۷ وکلسیوں ۱: ۲۷-۲۹ ویہوداہ آیت ۲۴ وفلپیوں ۲: ۱۵ وططس ۲: ۱۴ و ۱پطرس ۱: ۱۵ و ۱۶ و ۱تھسلنیکیوں ۴: ۷ و ۲تھسلنیکیوں ۲: ۱۳) انسان کی زندگی کی علّتِ غائی یہی ہے کہ خدا کا جلال ظاہر کرے اور اس کی قربت کا لطف اٹھائے۔

(۳) خدا ہم کو ہرگز کسی ایسی حالت میں رہنے کے لئے نہیں بُلا سکتا تھا جو اُدھوری ناتمام اور اُس کی شان کے لائق نہ ہوتی۔ لہذا ہم کو اُس کی نظر میں **بے داغ اور بے نقص** ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ضرور ہے کہ ہم مسیح کی راستبازی کے بے داغ لباس سے ملبّس ہوجائیں۔ نیا آدم مسیح کی کامل اور بے نقص شکل کی طرح بنتا جائے جو ہمارے لئے نمونہ اور معیار ہے۔

لے پالک بیٹے۔ یہ الفاظ رومیوں ۸: ۱۵ اور گلتیوں ۴: ۵ میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ یہ استعارہ رومی قانون سے لیا گیا ہے۔ لڑکوں کا متبنّٰی کرلینا رومیوں میں ایک معمولی بات تھی اور ایسے موقعوں پر بڑی شاندار رسمیں عمل میں آیا کرتی تھیں۔ لیکن یہ بات یہودیوں میں نہیں پائی جاتی تھی۔ لے پالک یا متبنّٰی بیٹا اس خاندان کا جس میں وہ داخل کیا جاتا تھا حقیقی معنوں میں ایک شریک سمجھا جاتا تھا۔ اُس خاندان کے نام سے وہ بھی نامزد کیا جاتا تھا اور اُس کے تمام حقوق اور خوشیوں میں برابر کا حصہ دار سمجھا جاتا تھا۔

پولُس رسول غیر اقوام کو الٰہی خاندان میں نئی پیدائش پانے کا مسئلہ سمجھانے کے لئے (کہ بپتسمہ جس کا ظاہری نشان ہے) یہ محاورہ استعمال کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہوا کہ وہ نئی رشتہ داری میں شامل کیا جاتا ہے۔ متبنّٰی بیٹا نئے خاندان میں پیدا ہوتا اور "ایک نیا مخلوق" بن جاتا ہے اور سچ پوچھو تو ایک طرح تمام بنی نوع انسان خدا کے بچے ہیں لیکن نافرمانی کرکے انہوں نے اپنے حقوق اور حیثیت کھودی اور اب وہ خدا کے نزدیک پردیسی اور اجنبی بلکہ یوں کہو کہ مُردہ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اُن کے پُرمحبت باپ نے اپنے خاندان میں انہیں پھر بحال کرنے کا ایک راستہ

بھی کھول رکھا ہے اور اُن کی تبنیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ فی الواقعی پسرانہ حالت
اور محبت اور متابعت کی نئی زندگی میں کہ جس سے وہ بذات خود آگاہ بھی ہیں -
داخل ہوتے ہیں - "دیکھو پرانی چیزیں گذر گئیں اور سب چیزیں نئی بن گئی ہیں" یعنی
نیا درجہ - نئی چال - نئے حقوق اور نئی ذمہ واریاں لیپالک فرزند بنانے میں خدا
کا مقصد یہ ہے کہ انہیں غلامانہ، تلخ اور تباہ شدہ حالت سے آزاد کرے اور اُن کے
ذریعہ سے اپنا فضل اور جلال ظاہر کرے (اہل روم غلاموں کو متبنّیٰ بناتے اور انہیں
اُونچے مدارج اور مراتب تک پہونچاتے تھے)

نوٹ (۱) خدا کی الوہیت اور ہمارے باہمی محبتانہ رشتے کا مسئلہ وہ عظیم الشان
صداقت ہے کہ جس کا خیال تک انسانی دماغ کے تصور میں بمشکل آتا ہے اور یہ
مسیحی مذہب کے دیگر اسرار عظیم کے علاوہ ایک بڑا بھید اور بنیادی اصولوں میں کا ایک
اصول ہے نہایت ضروری امر ہے کہ ہم اسے محض ایک مسئلہ ہی مسئلہ بنا کر نہ رکھیں
بلکہ اپنے شخصی تجربہ میں بھی اسے زیر عمل لائیں اور اس کی خوبصورتی - اس کی شان
اس کے حقیقی معانی ان لوگوں کو بتائیں کہ جو ابھی تک "ایمانداروں کے گھرانے"
سے باہر ہیں -

نوٹ (۲) ہندوستان کے مسیحیوں کی ذمہ واری اس معاملہ میں نہایت اہم ہے -
(اس سلسلہ میں دیکھو افسیوں ۳/۱۵ - ۴/۶ - ۵/۱)
یسوع مسیح کے وسیلے یعنی بطور منجی اور قائم مقام کے - ایک طرف تو باپ بیٹے
کے ذریعہ کام کرتا ہے اور دوسری طرف ہم بیٹے کے وسیلے باپ کے پاس آتے ہیں -
ہمارا بڑا بھائی ہمارا منجی اور شفیع ہے -

نوٹ - خدا کا بیٹا ابن آدم بنا تا کہ انسان کے بیٹے خدا کے بیٹے بن جائیں - آسمان
اور زمین اور خدا اور انسان کا باہمی ملاپ ہی مسیحی مذہب کی مرکزی صداقت ہے -
(پیدائش ۲۸/۱۲) یہ اس نام "عمانوایل" میں پائی جاتی ہے (دیکھو یسعیاہ ۷/۱۴ - ۸/۸ - متی
۱/۲۳) خدا کا پُر محبت مقصد اُن نجات یافتہ لوگوں کی جماعت میں جو خدا کے بیٹے
ہیں پُورا ہو چکا ہے اور ہم یہ یقین کر کے خوش ہوتے ہیں کہ اس ظاہری کلیسیا کے
علاوہ اور بھی بہت ہیں جو اس جماعت میں شامل ہیں کیونکہ اگرچہ بہتوں نے مسیح کا
نام بھی نہیں سُنا - تاہم مسیح کی روح اُن میں کام کر رہی ہے اور وہ اس حقیقی
نور کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے ہیں جو ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے (یوحنا ۱/۹)
ہم مان سکتے ہیں کہ مسیح زمینی بدن میں آنے سے پیشتر دُنیا میں جیتا اور کام کرتا تھا -

نیک ارادے کے موافق - یہ محاورہ عہد جدید میں مضمر - نیک اور فیاض عہد یا
ارادہ کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا کی مرضی نہایت معقول
اور مناسب ہوتی ہے اور اگرچہ اس کے اپنے کام کے طریقے ہماری محدود فہم سے
اکثر بالاتر ہوتے ہیں - تسپر بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم نہایت خندہ روئی اور اعتماد کے ساتھ
اس کی پاک مرضی کے تابع رہیں - بچے اپنے باپ کی اکثر تجویزوں کو سمجھ تو نہیں سکتے - البتہ
اُس کی عقلمندی اور محبت پر ضرور بھروسہ رکھتے ہیں - اسی طرح ایک جنگی مہم میں سپاہی
اپنے جرنیل کی تجاویز اور احکام کو نہیں سمجھتے - لیکن اُس کی ذات پر پورا بھروسہ رکھتے
ہیں - انجام کار ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ خدا کے ارادے نہایت ہی مناسب اور محکم ہوتے
ہیں اور بالآخر سچائی اور انصاف ہمیشہ فتح پاتے ہیں - پس ایک محدود العقل مخلوق کے
لئے ہرگز زیبا نہیں کہ غیر محدود خالق کی نکتہ چینی کرے (دیکھو رومیوں ۹/۱۹-۲۱) اُن

تمام سوالوں کا جو انتظام الٰہی کے بارے میں کئے جاتے ہیں نہایت مناسب جواب ان الفاظ میں دیا جا سکتا ہے "یہ اس کی پاک مرضی اور نیک ارادے کے بالکل مطابق ہے"۔ یا جس طرح خداوند مسیح نے فرمایا۔ "اے باپ یونہی ہونے دے کہ یہ تیری نظر میں اچھا معلوم ہوا"۔

۶۔ اس کے فضل کے جلال کی ستائش ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال نے رسول کا دل لے لیا ہے اور وہ اسے بار بار دہراتا ہے (آیات ۶/۱ - ۱۲/۱ - ۷/۲ اور کلسیوں ۲/۱) فضل محبت سے بڑھ کر ہے۔ یہ خدا کی محبت کی وہ موسلا دھار بارش ہے جو ان لوگوں پر جو سب سے زیادہ نالائق ہیں۔ پڑا کرتی ہے اور اسی میں الٰہی نجات کی تجویز کی شان اور جلال کا راز مضمر ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا قادرِ مطلق اپنا جامِ محبت مجھ جیسے خاکی کرم پر انڈیل دے؟

اُس عزیز میں۔ یسوع خدا کا عزیز تھا کیونکہ وہ لازماً و کاملاً خوبصورت اور پیارا تھا اور خاص معنوں میں خدا کا "اکلوتا بیٹا" کہلاتا ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئیے کہ اگرچہ ہم خدا کے بیٹے کہلائے جانے کے لائق نہ بھی ہوں (لوقا ۱۹/۱۵) تو بھی اگر اُس کے بیٹے میں پیوند اور اس کی نیچر یا خصلت میں شریک ہیں تو ہم بھی خدا کے پیارے اور عزیز بن سکتے ہیں۔ مسیح خدا کا "پیارا بیٹا" تھا۔ اس سلسلہ میں ذیل کے مقام دیکھو۔ یسعیاہ ۱/۴۲۔ متی ۱۷/۳ - ۵/۱۷ - مرقس ۱۱/۱ و یوحنا ۱۷/۱ - ۳/۱۴ - ۱۷/۲۴ و کلسیوں ۱/۱۳ "اُس کی محبت کا فرزند" وغیرہ۔

۷۔ خون کے وسیلے سے۔ لاریب خون زندگی ہے۔ خدا کے بیٹے یسوع مسیح کی زندگی ان سب کے لئے جو اُسے قبول کرنے کو تیار ہیں بطور قربانی نذر کی جاتی

ہے اور وہ اس کی زندگی میں شریک ہوتے ہیں اور یوں وہ ان کی نجات کا قابل اور کامل وسیلہ ہو جاتی ہے۔ بطور ہمارے قائم مقام کے وہ ہمارے رنج اور مصائب برداشت کرتا ہے اُس کا قیمتی خون یعنی اس کی زندگی ہمارے فدیہ میں دی جاتی ہے۔ جان کی قیمت جان۔ وہ مرتا ہے کہ ہم جئیں۔ اگر اس کی موت میں شریک ہیں تو ہم اس کی زندگی میں بھی شریک ہیں۔ یہ اعلےٰ درجہ کی قابلِ قبول صداقت ہے۔ اور انجیل مقدس کی تعلیم کا لُبِ لباب۔ دیکھو متی ۲۸/۲۶ و اعمال ۲۸/۲۰ و رومیون ۲۵/۳ - ۹/۵ و عبرانیون ۹ باب و اول پطرس ۱۹/۱ و مکاشفہ ۹/۵ اس لئے یہ ضروری ہو گیا کہ ابنِ خدا ابنِ آدم بنکر دُکھ اٹھائے۔ حتیٰ کہ اپنی جان تک فدا کرے۔ صلیب پر مسیح کی موت محض فسانہ ہی نہیں تھا بلکہ یہ انتظام خدا نے ازل سے سوچ رکھا تھا دیکھو خدا کا برّہ جو بنائے عالم سے اپنا خون بہائے جانے کے طفیل جہان کے گناہ اٹھا لے جانے کیلئے مقرر ہو چکا ہے۔ یُوں مسیح نے خدا کی لاانتہا محبت اُس کی شفقت اُس کے رحم کا انکشاف کیا۔ یُوں اس نے ہمارے لئے اور ہماری جگہ کفارہ کیا اور ہمارے گناہوں کا کامل معاوضہ دیا۔ اور یُوں اُس نے خدا کی پاک قدرت اور اس کے پاک قانون کو جس کی ہمارے گناہوں کے سبب سے خلاف ورزی ہوئی تھی۔ صحیح ثابت کیا اور انسان کا خدا کے ساتھ دوبارہ میل کروایا۔ عوضی قربانی کا اصول عالمگیر اصول ہے اور ایک نہ ایک صورت میں تمام اقوام میں پایا جاتا ہے۔ المختصر یہ کہ ضروری امر ہے کہ لوگوں کو تکلیف اور موت سے بچانے کے لئے تکلیف اور موت سہی جائے۔

نوٹ (۱) اگر ہم لفظ "خون" کے ماتحت عہد جدید کے تمام مقامات کا بغور مطالعہ کریں

توہم اس کے متعلق ذیل کے اہم امور کا ذکر مذہبی نکتۂ خیال سے اس میں مندرج پائینگے (ا) گناہ کا کفارہ (ب) گناہ کی آلودگی سے صفائی (ج) غلامی سے رہائی (د) ایک عہد کا مستحکم ہونا (ہ) آنکہ جان کی قربانی تمام قربانیوں میں افضل ترین قربانی اور محبت کی آزمائش کا اعلےٰ ثبوت ہے۔

نوٹ (۲) مسیح کی **موت** کو اس کی زندگی اور قیامت سے جُدا نہ کرنا چاہیئے اس کی موت اُس کی قیامت کے لئے ایک ضروری بات تھی۔

مخلصی۔ اس لفظ کے اصلی معانی رہائی یا چھٹکارے کے ہیں۔ چاہے وہ چھٹکارا بارِ قرض ہی سے کیوں نہ ہو۔ نیز اکثر اس کا مطلب زرِ مخلصی ادا کر کے غلامی کے بندھنوں سے چھٹکارا پانے کا بھی ہوتا ہے۔ اس مقام میں اس سے مُراد نہ فقط غلامی ہی سے مخلصی پانے کی ہے بلکہ موت۔ نہیں نہیں دوسری موت سے رہائی پانے کی بھی۔ بنی نوع انسان کو گناہ کی غلامی۔ اُس کی دستبرد اور اس کی حکومت سے نیز گناہ کی سزا یعنی موت (رومیوں ۶ ۲۳ / ۲۴-۲۵) سے **نجات** حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھو متی ۲۰/۲۸۔ عبرانیوں ۹/۱۵ اول پطرس ۱/۱۸-۱۹۔ صلیب کی راہ۔ راہِ مخلصی ہے اور یوں ہماری نجات کی تجویز جو ہمارے مشفق خدا باپ نے روز ازل سے سوچ رکھی ہے۔ پوری ہوتی ہے۔

نوٹ۔ لفظ **نجات** کے صحیح معنوں میں ذیل کی چار اعلےٰ ترین برکات شامل ہیں (۱) خدا کے ساتھ ہمارا میل (۲) ہماری گناہ سے رہائی (۳) ہماری معافی (۴) ہماری آسمانی میراث اور ملکیت (آیات ۱۱ و ۱۴ و ۱۸) الغرض مکتی یا نجات کا مفہوم ہے یعنی میل ملاپ۔ مخلصی۔ معافی اور میراث (یعنی آسمانی ملکیت)

قصوروں کی معافی۔ ہم لوگوں کے لئے جن پر فتوائے سزا صادر ہو چکا ہو یہ رہائی

کی ایک ممتاز صورت ہے خدا کے ساتھ میل ہو جانے پر جب ہمارے گناہ بخشے گئے تو ہم نئی زندگی کے دور میں ایک نیا قدم اٹھاتے ہیں۔ دیکھو یسعیاہ ۴۳/۲۵۔ زبور ۱۰۳/۱۲ متی ۲۶/۲۸۔ مرقس ۱/۴۔ لوقا ۱/۷۷ و ۱۵/۱۱-۳۲ و ۲۴/۴۷۔ اعمال ۲/۳۸ و ۵/۳۱ و ۱۰/۴۳ و ۱۳/۳۸ و ۲۶/۱۸ کلسیون ۱/۱۴۔ معافی کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف سزا ہی معاف ہو جائے بلکہ خدا باپ کے ساتھ بحالی بھی۔ اس سے وہ پردہ جو خدا اور ہمارے درمیان حائل ہو گیا تھا اٹھ جاتا ہے۔ اور دراصل بہ لحاظ روح اور جسم کے (ططس ۲/۱۴۔ رومیوں ۸) کامل نجات کا مطلب محض معافی سے کہیں زیادہ ہے تاہم معافی تمام برکات کیلئے ایک شرطِ لابدی ہے۔ یہ گناہ کے زخموں کے لئے ایک مرہم شفا بخش ہے اور کامل صحت کے لئے ایک نہایت ہی ضروری اور ناگزیر شے۔

نوٹ۔ مسئلہ معافی مسیحی نکتۂ خیال سے

(۱) رشتہ مابین معافی و راستبازی (۲) رشتہ مابین معافی و توبہ (۳) رشتہ مابین معافی و اطمینانِ محبت الٰہی (۴) نیز وہ رشتہ جو معافی اور زندگی کی نئی اخلاقی طاقت کے درمیان ہے۔ یہ نہ فقط دافع درد ہے بلکہ ایک ٹانک (مقوی دوا) بھی۔

عشاء ربانی کے مقرر کئے جانے کے وقت جب ہمارے خداوند یسوع نے مے کا پیالہ اپنے شاگردوں کو دیا تو اپنی زبان مبارک سے یوں ارشاد فرمایا "یہ میرا خون ہے جو بہتوں کے **گناہوں کی معافی** کے لئے بہایا جاتا ہے۔ اور جب وہ مُردوں میں سے جی اٹھا تو اس نے اپنے شاگردوں کو فرمان عظیم دیا کہ "تمام قوموں میں توبہ اور گناہوں سے معافی" کی منادی کرو (لوقا ۲۴/۴۷) بلا ریب یہ دنیا کے لئے ایک مژدۂ جانفزا ہے جب ایک روح خدا کے ساتھ اپنے تعلقات کا صحیح علم پا کر اور اس معلوم کردہ حقیقت

میں یقین کامل رکھتی ہوئی بیدار ہوتی ہے تو یہی وہ خوشخبری ہے جس کا اعلان روح کی اوّل اور نہایت ہی گہری احتیاجوں کو رفع کرتا ہے (ہندوؤں کی تعلیم کرم اس تعلیم کے مقابلہ میں کیسی ناقص ہے کہ نہ تو معافی کی کوئی امید ہی دلاتی ہے اور نہ ہی گنہگار انسان کو کچھ اطمینان قلب ہی دیتی ہے) اس لئے کچھ تعجب کی بات نہیں کہ رسول مقبول الٰہی فضل کی برکات کی ذیل میں **گناہوں کی معافی** کو اول نمبر پر رکھتا ہے۔ ایک مجرم۔ تباہ شدہ اور بے بس گنہگار کے دل پر سے ایک بھاری پتھر کا بوجھ اٹھ جاتا ہے جب وہ شیریں آواز سے یہ کہتی سنائی دیتی ہے کہ "تیرے گناہ تجھے معاف ہوئے"۔ وہ خوشی اور شکرگذاری کے ساتھ بھر جاتا ہے اور آگے کو گناہ کرنا نہیں چاہتا۔

ہمارے ہندوستان کے لوگوں کو گناہ کا کافی احساس نہیں ہے اور یہ نہایت ہی ضروری بات ہے کہ ہم اپنے آپ پر اور دوسروں پر گناہ کی حقیقت اور اُس کا گھنونا پن نیز خدا کے رحم اور معافی کی اشد ضرورت ذہن نشین کر دیں۔

فضل کی دولت کے موافق۔ لفظ "دولت" پولس رسول کا دلپسند لفظ ہے۔ اس سے الٰہی سخاوت اور خدائی لطف و کرم نہایت ہی چمکدار اور خوبصورت رنگوں میں چمکتے نظر آتے ہیں (افسیوں ۱۸/۱ - ۴/۲ و ۷ - ۸/۳ و ۱۶ - رومیوں ۴/۲ - ۲۳/۹ - ۱۲/۱۰ - ۱۲ و ۳۳/۱۱ اول کرنتھیوں ۵/۱ - ۲ کرنتھیوں ۹/۸ - فلپیوں ۱۹/۴ کلسیوں ۲۷/۱ - ۲/۲) خدا جب معافی دیتا ہے تو شاہانہ طریق پر کہ وہی اس کی شایان شان ہے۔

۸۔ **ہر طرح کی حکمت اور دانائی**۔ ان الفاظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ خدا اپنی حکمت اور دانائی کو وسیع پیمانے پر عمل میں لایا۔ یا یہ کہ اس نے یہ ہر دو اوصاف کثرت کے ساتھ ایمانداروں کو عطا فرمائے۔ لیکن آیت ۹ کا متن آخر الذکر عندیہ کا مؤید

ہے۔ مسیحیوں کو چاہیئے کہ نہ صرف گہری روحانی معرفت اور ادراک حاصل کرنے کی کوشش کریں بلکہ دنیاوی نکتہ خیال سے معاملہ فہمی عقلمندی اور بصیرت حاصل کرنے کی جستجو بھی کریں۔ مسیح نے اپنے شاگردوں کو سانپوں کی طرح ہوشیار اور کبوتروں کی طرح بے بد ہونے کی نصیحت کی تھی اور ہم دیکھتے ہیں کہ پولس رسول کے خطوط معمولی عقل اور ہوشیاری کی عملی باتوں سے نیز روحانی اسرار میں عجیب غریب جواہر ریزیوں سے بھرے پڑے ہیں دیکھو رومیوں ۳۳/۱۱-۳۶

ہمیں چاہیئے کہ ان تمام تدابیر اور طریقوں کو جو خدائے قادر نظام انسانی کے چلانے کو کام میں لاتا ہے نہایت عقلمندی کے ساتھ سمجھنے کی سعی کریں اور دنیاوی علم اور سمجھ میں بھی پیچھے نہ رہیں۔

۹۔ **اپنی مرضی کے بھید**۔ کتاب مقدس میں لفظ **بھید** کے صحیح معنے یہ ہیں کہ کوئی بات کبھی پردۂ خفا میں تھی پر اب منکشف ہو گئی ہے۔ یہ ایک قفل ہے کہ جو فقط ایک خاص کلید ہی سے باز ہو سکتا ہے یہ کلید غیر اقوام کے بزرگان سلف کو معلوم نہ تھی

نوٹ۔ وہ دو بڑے بھید یا راز جس کا ذکر رسول اپنے خطوط میں بار بار کرتا ہے یہ ہیں (۱) مسیح کا تجسم (۲) غیر اقوام کو نجات کی خوشخبری میں شامل کرنا اس کو عہد جدید میں "آسمان کی بادشاہت" کا نام دیا گیا ہے۔ اعلیٰ ترین دانائی اور سمجھ اس بات میں ہے کہ ہم خدا کی مرضی اور اس کی تدابیر کو بتدریج سمجھ جائیں۔ "الٰہی رموز کو خدا ہی کے خیالات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں"۔ بجز اس روحانی اکتساب کے ہم کلام الٰہی نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

۱۰۔ اس آیت کے عام معنی سمجھنے کے لئے عبرانیوں کے نام کے خط کے ابتدائی بابوں

کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے جس لفظ کا ترجمہ **انتظام** کیا گیا ہے۔ یونانی میں اس کے
معنی Dispensation یعنی تقسیم انتظام خانہ داری۔ کاروبار یا انتظام جمعیت۔ مابعد
کے مسیحی مصنفین اس لفظ کا مفہوم "آسمان کی بادشاہت" کا لیتے تھے اور عہد جدید میں
بعض استعارے ایسے پائے بھی جاتے ہیں جو اس خیال کے عین مطابق ہیں۔ مثلاً
خدا گھر کا مالک ہے (متی ۱۳/۵۲ - ۲۰/۱-۱۶ - ۲۱/۳۳) کلیسیا خدا کا گھر ہے (اول تمطاؤس
۳/۱۵ - عبرانیوں ۳/۲-۶ وغیرہ) نئے (ایماندار خدا کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں (افسیوں ۲/۱۹)
خادمان دین مختار ہیں (اول کرنتھیوں ۴ باب) یہاں اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ
مسیح جو خدا کا ازلی فرزند ہے درحقیقت خدا باپ کی کلیسیائے روحانی کا مختار
اعظم ہے اور جیسے ہی یہ کلیسیا بتدریج ترقی کرتی ہوئی درجۂ تکمیل کو پہونچتی ہے اس کا
کل انتظام اور اختیار اُسے سونپ دیا جائیگا۔ یہ زمانہ نئے عہد کی بشارت کا ہوگا۔
جس میں خدا کی بادشاہت مسیح کی حضوری اور قدرت کے عمل کے ذریعہ سے مسلسل ترقی
کے بعد کامل ہو جائیگی۔ اگر مسیح خود کلیسیا کا حقیقی الٰہی مرکز اور محرک طاقت ہوگا۔ تو
کلیسیا زندہ اور نہایت ہی مضبوط ہوگی۔

سب چیزوں کا مجموعہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب چیزوں کو جمع کرکے مسیح میں
جو کل کا سردار ہے متحد کرنا ہے۔ یہ جملہ پچھلے جملہ کی تشریح کرتا ہے (دیکھو افسیوں ۱/۲۲۔
۴/۱۵ - ۵/۲۳ اور کلسیوں ۱/۱۸ - ۲/۹-۱۰ - اول کرنتھیوں ۱۱/۳) اس خاص موضوع پر رسول
مقبول اپنی تعلیم مزید وضاحت کے ساتھ کلسیوں ۱/۱۵-۲۰ میں بیان کرتا ہے جس کا
اس سلسلہ میں بغور مطالعہ کیا جانا مناسب ہے۔

نوٹ (۱) جس طرح جسم کے اعضا دسر کے ساتھ پیوست ہونے کی وجہ سے ایک

دوسرے کے ساتھ متحد ہیں اسی طرح مسیح ابن آدم یعنی آدم ثانی میں تمام افراد اپنے
رشتہ اتحاد میں باہم منسلک ہیں پس مسیح ہی وہ واحد ہستی ہے جو تمام بنی نوع
انسان کو ایک لڑی میں پرونے پر قادر ہے اقوام عالم کو چاہیئے کہ اس حقیقت کو
سمجھنے کی کوشش کریں۔

(۲) علاوہ ازیں مسیح جس طرح زمین کا ویسے ہی آسمان کا بھی مالک ہے اور تمام
اشیائے جاندار اس کے تابع ہیں (افسیوں ۱/۲۱-۲۲ - اول کرنتھیوں ۱۵/۲۴-۲۸
فلپیوں ۲/۹-۱۲ - عبرانیوں ۲/۸ - مکاشفات ۱/۵ - ۱۱/۱۵ - ۱۷/۱۴ - وہ تمام مخلوق کا
حاکم اعلےٰ ہے۔

(۳) مجسم روح کی مادہ پر اور مسیح کی تمام مادی دُنیا پر فضیلت اور برتری دکھاتا
ہے (یوحنا ۱/۱۴) دیگر مذہبی پیشواؤں اور رہنماؤں نے خدا کو نسبتاً بہت ہی کم
منکشف کیا۔ لیکن مسیح مظہر کامل ہے ہاں وہ "اپنے باپ کے جلال کا پرتو
اور اس کی ذات کا نقش ہے"

(۴) مسیح اس لئے افضل اور اعلےٰ ہے کہ اس میں الوہیت کی ساری معموری
مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔ یوں رسول مکاشفۂ الٰہی کی نئی اور عجیب کیفیتیں
بیان کرتا ہے تاکہ وہ باطل پرستی کی تعلیم کے نئے نئے خیالوں کا جو اُن دنوں میں
کثرت سے پھیلائے جا رہے تھے کما حقہٗ مقابلہ کر سکیں۔ اس کا ذکر کلسیوں کے
نام کے خط میں اور بھی زیادہ نمایاں طور پر آیا ہے کہ ان لوگوں میں بہ نسبت
خداوند مسیح کے روحانی طاقتوں اور فرشتوں کو اعلےٰ درجہ دینے کی خطرناک
تعلیم نہایت زوروں پر تھی۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح انسانیت اور الوہیت کے

باہمی ملاپ کے لئے انسان کی خواہشوں کا کمال ہے اور اب ۲۰۰۰ برس کے بعد بھی ہم اس کی طاقتوں کو مطلقاً زائل نہیں کر سکے۔ بلاشک وہ ہی تمام اقوامِ عالم کی احتیاج ہے مشرقی ہوں خواہ مغربی۔

۱۱۔ **ہم بھی میراث بنے۔** دیکھو ۱/۱۴ و ۱۸۔ ہم مسیح میں خدا کی میراث یعنی قیمتی ملکیت بن گئے ہیں اور اُس کے خزینے بن کر اس کے وارث بھی قرار دئے جا چکے ہیں۔ دیکھو زبور ۱۶/۵۔ کلسیوں ۱/۱۲۔ ایک طرف تو ہم خدا کی ملکیت بنتے ہیں اور دوسری طرف اُس کی ملکیت ہماری میراث بن جاتی ہے۔ واہ کیا ہی عظیم صداقت ہے! خدا کے فرزندوں کی آزادی۔ ہر وقت خدا باپ تک رسائی۔ الٰہی حکمت اور خرد کے کھلے خزانے۔ پاکیزگی۔ توانائی۔ خوشی اور اطمینان کے علاوہ جو وہ عنایت فرماتا ہے روح القدس کا بیعانہ۔ یہ وہ تمام برکات ہیں جو سچ مچ ہمیں اس دنیا میں حاصل ہوتی ہیں اور ابھی کچھ معلوم نہیں کہ ہم بہترین اور پُرجلال مستقبل میں اور کیا کچھ بن جائینگے" (رومیوں ۸/۱۷-۲۵۔ اول کرنتھیوں ۳/۲۲)

پیشتر سے مقرر ہو کر۔ یہ جملہ ہمیں آیت ۵ پر واپس لے جاتا ہے۔ "اگر فرزند ہیں تو وارث بھی ہیں یعنی خدا کے وارث اور مسیح کے ہم میراث (رومیوں ۸/۱۷)

۱۲۔ یہ آیت اہلِ یہود کی اُن پُراشتیاق امیدوں کی طرف جو وہ مسیح موعود کے آنے کے بارے میں رکھتے تھے اشارہ کرتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ برگزیدہ قوم تھی جسے خدا نے دنیا میں اپنا جلال ظاہر کرنیکے لئے سب سے اول منتخب کیا۔ ہمیں یاد ہے کہ اولین مسیحی ان یہودیوں ہی سے آئے تھے۔

۱۳۔ غیر اقوام بھی ان تمام برکات کی جو روح القدس کے اُنڈیلے جانے سے انہیں

ملتی ہیں (جس کا بڑا ثبوت پنتیکوست کے دن مشاہدہ میں آیا) برابر کی وارث ہیں۔

جب تم نے سنا۔ یہ اشد ضروری بات ہے کہ لوگ انجیل جلیل کو سنیں تاکہ وہ بچ جائیں۔ لہٰذا ہمارا عین فرض ہے کہ ہم اسے ہر جگہ سنائیں (رومیوں ۱۰/۱۴۔ ۲ تمطاؤس ۴/۲) اس لئے کہ

(ا) یہ سچائی کا کلام ہے۔

(ب) یہ پیغام نجات ہے جو بجائے خود نور۔ زندگی۔ آزادی اور محبت کا پیغام ہے غیر اقوام نے جو اب تک تاریکی میں بھٹکتی آئی تھیں اب بڑا نور دیکھا۔ انہوں نے پیغام بشارت سنا اور بہتوں نے اسے قبول بھی کیا۔ امید بخش پیغام اور صداقت کے کلام کو سننے کے لئے لوگوں کے قلوب ہر جگہ منتظر اور تیار پائے جاتے ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہم لوگوں کو اپنے ارد گرد جہالت میں تباہ ہوتا دیکھیں اور نجات کی خوشخبری اُن تک نہ پہونچائیں تو ہم موردِ الزام ٹھیرینگے۔ ہر ایک مسیحی کا فرض ہے کہ وہ بجائے خود ایک مشنری ہو

سوال۔ نجات کے معنے کیا ہیں؟ اس کا جواب افسیوں ۲/۱-۱۰ میں ملیگا

مُہر لگی۔ دیکھو افسیوں ۴/۳۰ اور ۲ کرنتھیوں ۱/۲۲۔ مُہر لگانے کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ

(۱) جس چیز پر وہ لگائی جائے وہ اس کے حقیقی اور اصلی ہونے کی تصدیق اور ثبوت ٹھیرتی ہے مثلاً کسی سرکاری دستاویز یا خط پر اگر سرکاری مُہر لگی ہو تو وہ مندرجہ بیان یا اقرار نامہ کی مصدق بھی جاتی ہے (یوحنا ۳/۳۳ و ۶/۲۷۔ رومیوں ۴/۱۱۔ اول کرنتھیوں ۹/۲۔ ۲ تمطاؤس ۲/۱۹)

(۲) اگر کوئی شخص اپنی ملکیت پر مُہر ثبت کر دے تو اس سے اُس کا اُس ملکیت پر

دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور وہ مُہر اس دعویٰ کا مصدقہ نشان ٹھہرتی ہے (افسیوں ۱:۱۳ و ۴:۳۰ - ۲ کرنتھیوں ۱:۲۲ - رومیوں ۸:۱۶ و ۱۵:۲۸ - مکاشفات ۷:۲-۴) یُوں روح القدس کی بخشش اور گواہی ایک نشان اور ثبوت ہے اور اس بات کی ہمیں یاد دلاتی ہے کہ خدا نے مسیح میں اپنے لئے ہمیں خرید لیا ہے اور ہم اس کی ملکیت ہیں کہ ہم اُس کے بچے ہیں اور اس کی بادشاہت اور جلال میں شریک (۱ کرنتھیوں ۶:۱۹ - ۲ کرنتھیوں ۱:۲۲ - گلتیوں ۴:۶) کیا میں ہر روز محسوس کرتا ہوں کہ مجھ پر بھی یہ مُہر لگی ہے؟

پاک موعودہ روح - یہ وہ رُوح ہے جس کا بڑا قیمتی وعدہ بیٹے نے (لوقا ۱۱:۱۳ - یوحنا ۱۴:۱۶ و ۲۶ و ۱۵:۲۶ وغیرہ میں) اور باپ نے (لوقا ۲۴:۴۹ - اعمال ۱:۴-۵ میں) کیا - پینتیکوست کے دن اور تب سے لگاتار آج تک یہ وعدہ نہایت ہی عجیب طور پر پورا ہوا ہے - مسیحیوں پر روح القدس کا نزول نہایت ہی حیرت انگیز طریقوں سے ہوا ہے اور ہم میں سے ہر ایک کیلئے یہ حکم ہے کہ "روح سے بھرے رہو" افسیوں ۵:۱۸ جس طرح ایمان کے ساتھ ہم مسیح کو اپنے دلوں میں قبول کرتے ہیں بعینہٖ ایمان کے ساتھ ہم روح القدس بھی حاصل کر سکتے اور اُس کے اپنے دلوں میں سکونت پذیر ہونے کا اطمینان رکھ سکتے ہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ موجودہ زمانہ ہی خاص طور پر روح القدس کا زمانہ ہے

نوٹ - روحُ القدس کے منصب یہ ہیں :-

(۱) وہ اس کام کو جو مسیح نے شروع کیا جاری رکھتا ہے

(۲) وہ خدا کی محبت کا جو اُس نے ہمارے لئے دکھائی اور اُس کی نظروں میں ہمارے مقبول ہو جانے کا گواہ ہے

(۳) وہ وقتاً فوقتاً نئی نئی سچائیوں اور فرائض کا ہم پر انکشاف کرتا رہتا ہے

(۴) وہ ہمیں حقیقی اطمینانِ قلب اور ہماری روح کو پاکیزہ خوشی بخشتا ہے

(۵) وہ ہماری حالتِ تذبذب و پریشانی میں ہمارا رہبر اور دستگیر ہوتا ہے اور اپنی "خاموش مدھم آواز" سے جو ہمارے اندر بولتی ہے ہمیں کسی نیک کام کے کرنے کی تو ترغیب دیتا اور کسی فعلِ ناپسندیدہ کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے

(۶) وہ ہمارے اندر وہ طاقت ڈالتا ہے جو ہر ایسی چیز کو جو شر انگیز ہو آگ کی طرح بھسم کر ڈالتی ہے اور ہر مرغوبِ خاطر شے کے لئے ہمارے دل میں ایک پُر جوش خواہش پیدا کرتی ہے یا یُوں کہو کہ ایک چشمۂ زندگی کی طرح ہے جو خدا کی بادشاہت کی ترقی کے لئے ہر وقت دُعا اور منّت کا پانی اُچھال رہا ہے -

(۷) روح القدس کوئی ایسی بخشش نہیں جو کسی شخصِ واحد ہی کو عطا ہو بلکہ یہ وہ زبردست طاقت ہے جو تمام دنیا کے بھلے کے لئے فرداً فرداً ہر مسیحی کے دل میں اور کُل کلیسیا میں کام کر رہی ہے

۱۴ بیعانہ - یہ لفظ ۲ کرنتھیوں ۱:۲۲ اور ۵:۵ میں بھی آیا ہے - یہ یونانی نہیں بلکہ شامی زبان کا لفظ ہے جو غالباً فینسی تاجروں کے ذریعہ سے اہلِ یونان کے درمیان مستعمل ہُوا - چونکہ افسس ایک بڑا تجارتی مرکز تھا - اس لفظ کا کثرت سے استعمال ہونا لازمی امر تھا - مطلب اس کا یہ ہے کہ گاہک رقم خریداری کا کچھ حصہ سوداگر کے پاس بطور زرِ امانت پیشگی رکھے جو اس بات کا کفیل ہوگا کہ باقی بعدہٗ ادا کی جائے ہمیں اُس شاندار وراثت کا کچھ حصہ تو پہلے ہی مل چکا ہے - ایک روز کُل کے وارث بھی ہو جائینگے -

نوٹ۔ کبھی یہ لفظ "ذبیحہ کے عوض ہر اُلفت" کے معنوں میں بھی جو وہ اپنی دلہن کو دیتا تھا مستعمل ہوتا تھا اور یہاں یہ خیال نہایت ہی موزون ہے۔ اسی طرح کا ایک اور محاورہ "روح کے پہلے پھل" ہے (رومیوں ۸/۲۳)

خدا کی ملکیت یعنی خدا کی برگزیدہ قوم "خاص" اُس کی اپنی ملکیت۔ دیکھو خروج ۱۹/۵۔ استثنا ۷/۶ و ۲۶/۱۸۔ زبور ۱۳۵/۴۔ ملاکی ۳/۱۷۔ اول پطرس ۲/۹

مخلصی یعنی نجات۔ دیکھو رومیوں ۸/۲۳۔ نیز آیت ۷ کے نوٹ

نوٹ۔ پولس رسول عموماً لفظ **نجات** اور **مخلصی** دوہرے معنوں میں استعمال کرتا ہے (۱) ایک قومی زندگی کی **ابتدا** اور (۲) نئی زندگی کی تکمیل کے ضمن میں۔ اس مقام میں وہ ہمارے گناہ اور موت کی طاقت اور خوف سے حقیقی اور کامل رہائی کے لئے چشم براہ بیٹھا ہے کہ جب مسیح ابن خدا کی مشابہت میں متبدل ہو کر ہم ابدی جلال اور سرور کے عالم میں سکونت کرینگے اور جسم و روح میں کامل ہو جائینگے۔ (یسعیاہ ۴۳/۳۔ مکاشفات ۲۱/۳) تب خدا کا جلال پورے طور پر ظاہر ہوگا اور اُس کی خوشی پوری ہوگی۔ خدا اپنی ملکیت کے کھوئے جانے پر بڑا رنج کرتا ہے لیکن اُسے پھر پا کر شادمان ہوتا ہے (لوقا ۱۵ باب کی تمثیلوں کا مطالعہ کیا جائے)

۱۵-۲۳ دعا کہ تمام مسیحی اُن الٰہی حقوق اور اعلیٰ مراتب کا جو مسیح میں اُنہیں ملنے والے ہیں پورے طور پر احساس رکھیں۔ رسول اُن کے ایمان کی نیک شہرت سُن کر اس بارے میں خدا کا شکر کرنے سے باز نہیں رہتا بلکہ دعا بھی مانگتا ہے کہ یہ **الٰہی معرفت** سب مسیحیوں کو عطا ہو۔ یہ بخشش اور فضل مسیحی بلاہٹ کی شان اور شوکت پہچاننے اور سمجھنے کے قابل بنا دیگی کہ جس کے ساتھ اس کی امیدیں۔ اُس کے

موجودہ مقدس حقوق۔ فتح یابی کی وہ طاقتیں جو زندہ اور دل میں سکونت کرنے والے مسیح کی قدرت کے ذریعہ عطا ہوتی ہیں تمام و کمال وابستہ ہیں۔ خدا نے مسیح کو مُردوں میں سے زندہ کیا اور اُسے اُس کا اپنا جلال اور ابدی زندگی کی قدرت بخشی اسے آسمان میں اپنے دہنے ہاتھ پر سربلند کیا تاکہ وہ (یعنی مسیح) کُل دنیا میں بادشاہ بن کر حکومت کرے اور اپنی کلیسیا کے ساتھ اپنی فتح مندی کے پھلوں میں شریک ہو ہاں وہی کلیسیا جو خود تو بدن اور مسیح بنفس نفیس اُس کا سر ہے اور جو اس کی کمالیت سے معمور ہو کر جلالی بن گئی ہے

۱۵-۱ اس سبب سے۔ یہ الفاظ عبارت مافوق کی طرف اشارہ کرتے ہیں مسیحی کی وراثت کی عظمت رسول کی شکر گزاری کا موجب ہے اور جیسا کہ اس کا معمول ہے وہ دعا کو شکر گزاری کے ساتھ ملا دیتا ہے (کلسیوں ۱/۳۔ ۲ تھسلنیکیوں ۱/۳ و ۱۱)

حال سُنکر الفراس (کلسیوں ۱/۷) اور غالباً دیگر احباب کے ذریعہ آتے ہیں علم والے اپنے مکان میں کلیسیائے افسس کا حال معلوم ہوا تھا۔ کیا ہماری نسبت بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم اپنے مسیحی بھائیوں کے ساتھ ایسا پیار دکھاتے اور اُن کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں؟ (رومیوں ۱/۸)

تمہاری یاد کیا کرتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں افراد کو یاد کیا کرتا تھا۔ رسول کا زیادہ تر کام جو وہ اپنے نو مریدوں کے لئے کیا کرتا تھا یہ تھا کہ وہ اُن کے لئے خاص سفارشی دعاؤں میں مشغول رہتا تھا۔ ہمارے خداوند یسوع کی طرح۔ رسول مقبول کی دعائیں بھی جو ضبط تحریر میں ہیں ہمارے مطالعہ اور غور و فکر کے لئے بذات خود ایک نہایت ہی مفید اور کارآمد مضمون ہیں وہ اپنی نوع میں زیادہ تر

سفارشی دعائیں ہیں (رومیوں ۱/۹ - ۳۰/۱۵ - کلسیوں ۱/۹ - فلپیوں ۴/۱ - اول تھسلنیکیوں ۱۳ و ۱۲/۳) رسول سجدہ میں جاتا ہے تو اُسے اپنا نہیں بلکہ دوسروں کا خیال ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس آلہ کا جو ہمیں مرحمت ہوا ہے یعنی دُعا کے وسیلے کا دوسروں کے فائدہ کے لئے کثرت سے استعمال کریں۔ کیا ہم ان لوگوں کے نام کی فہرست کہ جن کے لئے ہم دُعا مانگتے ہیں اپنے پاس رکھتے ہیں؟

نوٹ۔ آیات ذیل میں ہمارے پاس دُعا کیلئے موزون مضامین کا بہترین نمونہ ملتا ہے اور ہمیں اُن کی ایک فہرست بنانا مناسب ہے۔ دُعا ہمارے لئے نہایت ہی مفید اور ضروری عمل ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم کچھ وقت دوسروں کی نجات اور روحانی ترقی کیلئے دُعا مانگنے میں صرف کیا کریں۔ ہماری دعائیں خاص خاص مقصد اور منتخب افراد کے لئے ہونی چاہئیں۔ ہماری خلوتی اور جماعتی دعاؤں کا رجحان بالعموم معمولی اور رسمی ہوتا ہے ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دعا وہ زبردست طاقت ہے جو خود خدا کی دستِ قدرت کو حرکت میں لاتی ہے۔ ہاں دُعا کارخانۂ عالم کے چلانے والے ہاتھ کو حرکت دینے پر قادر ہے۔

۱۷ **ہمارے خداوند یسوع مسیح کا خدا**۔ یہ مکمل جملہ لفظ بہ لفظ اور کہیں وارد نہیں ہوا ہے (آیت ۳ کے نوٹ دیکھو) رسول اس جگہ خدا باپ کی افضلیت پر زور دیا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں اُس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم اُس کے پاس جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کا باپ ہے جانے کی جرأت کر سکتے ہیں (عبرانیوں ۴/۱۶)

جلال کا باپ۔ جس طرح دن کی روشنی آفتاب کی ہستی سے ہے (یعقوب ۱/۱۷) اُسی طرح ہمارا آسمانی باپ تمام جلال کا عین منبع اور مرکز ہے (۲ کرنتھیوں ۴/۶)

حکمت اور مکاشفے کی رُوح۔ رسول چاہتا ہے کہ مسیحی اپنے آپ میں ایسی ہی رُوح پیدا کریں یعنی روحانی معرفت اور الہامی اور الٰہی رازوں کو جو ایمانداروں پر

منکشف کئے گئے ہیں۔ سمجھنے کی سب سے اعلیٰ روحانی حکمت (یونانی میں لفظ مکاشفہ کے معنی پردہ ہٹانے کے ہیں) کیا ہم میں رازوں کو سمجھنے کی یہ طاقت موجود ہے؟ ضروری نہیں کہ لفظ روح کا مفہوم ہم روح القدس ہی لیں اگرچہ یہ بھی سچ ہے کہ ہماری روحیں صرف روح القدس کے ہمارے دلوں میں سکونت پذیر ہونے ہی سے منوّر ہو سکتی ہیں۔ دیکھو رومیوں ۸/۱۵ و ۸/۱۶۔ گلتیوں ۴/۶ - ۲ تمطاؤس ۱/۷)

اپنی پہچان میں۔ الٰہی گیان ہی کے ذریعہ سے الٰہی پہچان حاصل ہوتی ہے باپ کو جاننا ابدی زندگی کا اصلی راز ہے (یوحنا ۱۷/۳) اور فقط وہی جو حقیقی بچے ہوتے ہیں باپ کو جان سکتے ہیں۔ فلسفہ انسانی کی بڑی تعلیم یہ ہے "**اپنے آپ کو پہچان**" لیکن یہ کام الہامی کلام خدا ہی کا ہے جو سکھاتا ہے کہ "**خدا کو جان**" الٰہی فلسفہ یہی ہے۔

۱۸ **تمہارے دل کی آنکھیں**۔ یہ محاورہ نہایت ہی زوردار ہے (دیکھو زبور ۱۱۹/۱۸ - متی ۶/۲۲-۲۳ و ۱۳/۱۵ - یوحنا ۱۲/۴۰ - اعمال ۲۶/۱۸ - رومیوں ۱/۲۱ - ۲ کرنتھیوں ۳/۱۴ - مکاشفات ۳/۱۸)

سب سے بہتر اور سچی تعلیم وہ ہے جو انسان کے دل اور ضمیر تک پہونچتی اور اُن پر موثر ہو سکتی ہے محض دماغی تعلیم و تربیت کافی نہیں۔ پس ہمیں خبردار رہنا چاہیئے کہ کہیں ہمارے دل انجیل جلیل کے حسن و جلال کی طرف سے سُست اور بےخبر نہ ہو جائیں (افسیوں ۳/۱۸ و ۱۹ - کلسیوں ۱/۴) اور یہ بھی خوب یاد رکھنے کی بات ہے کہ ازلی اور حقانی صداقتیں اپنی تازگی اور خوشبو ہمیشہ قائم رکھتیں اور نری رسم و رواج نہیں بنا کریں۔ نہایت خطرہ کی بات ہے کہ مسیحی خدامِ دین تک تو انجیل کی طرف سے

دل سخت کر بیٹھتے ہیں ہمیں دعا مانگنا چاہیئے کہ کہیں ہماری نسبت یہ نہ کہا جائے کہ "وہ آنکھیں رکھتے ہیں پر دیکھتے نہیں اور اُن کا دل موم کی طرح فربہ ہے"

سوال کیا وہ چار برکات جن کا ذکر ۱ تا ۲۰ میں آیا ہے میرے تجربہ میں بھی کبھی آئی ہیں؟

کیسی کچھ اُمید ہے۔ وہ کونسی اُمید ہے جس کی طرف خدا ہمیں بلاتا ہے اور جو ہماری زندگیوں کو منور کرتی اور صبر اور استقلال کے ساتھ مسافت زندگی پر گامزن ہونے کے لئے ہماری ہمت بڑھاتی ہے اس پر

(۱) "وہ اُمید ہے جو آسمان پر ہمارے واسطے رکھی ہوئی ہے" یعنی وہ خوشی کی آخری حالت۔ ہماری آسمانی میراث جو موعودہ سرزمین میں پہونچنے پر ہمارے قبضہ میں آئیگی (کلسیوں ۱/۵)

(۲) "وہ مبارک اُمید" یعنی ہمارے خداوند کے جی اُٹھنے کے جلال میں شراکت (ططس ۲/۱۳)

(۳) وہ اُمید جو ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہے اور روح کے لنگر کی مانند ہے (عبرانیوں ۶/۱۸ و ۱۲/۱-۲ - رومیوں ۸/۱۸-۲۵)

(۴) وہ نشان جو ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے یعنی یہ کہ ہم مسیح کے ہمشکل بنتے جائیں اور اُس کی زندگی۔ اُس کی موت۔ اُس کے جی اُٹھنے اور اُس کے آسمانی جلال میں کہ جب وہ دوبارہ بادشاہت کرنے کو آئے۔ حصہ دار ہوں۔ المختصر یہ کہ ہماری بڑی اُمید مسیح کی مثل ہونا اور تا ابد اس کے ساتھ بادشاہی کرنا ہے۔ یوں ہماری انسانی طبیعت بتدریج الٰہی طبیعت کے ساتھ متحد ہو جائیگی اور یہی وہ اُسوۂ حسنہ یعنی اعلیٰ ترین اور کامل نمونہ ہے کہ جس کا ہم اپنے دماغ میں تصور باندھ سکتے ہیں دیکھو فلپیوں ۳/۱۴

اول پطرس ۱/۳-۴ ۔ اول یوحنا ۳/۲-۳) آہ! اس دنیا میں کیسے بدنصیب اور قابل رحم ہیں وہ بے شمار لوگ کہ جو اس اُمید سے بے خبر ہیں! نیز اس بات میں کتنی صداقت ہے کہ غیر اقوام بغیر انجیل کے "بے اُمید" ہیں۔

اس کی میراث کے جلال کی دولت۔ واضح ہو کہ رسول مقبول اس باب میں لفظ "**میراث**" تیسری دفعہ استعمال کرتا ہے۔ چاہیئے کہ جملہ ہذا کے لفظ لفظ کو پوری اہمیت دی جائے اشارہ اس کا خدا کی بادشاہت کے آنیوالے عظیم الشان جلال کی طرف ہے جس کی رعایا جلال یافتہ ایماندار ہونگے۔ جو شاہِ جلال کی قیمتی ملکیت سمجھے جائینگے۔ خدا کی قوم اس لئے کہ وہ اُس کے بچے ہیں اُس کا گراں بہا خزانہ ہے وہ "عزت کے برتن" بننے کیلئے چُنے گئے ہیں (خروج ۱۹/۵-۶ ۔ زبور ۳۳/۱۲ ۔ ملاکی ۳/۱۷ ۔ اول پطرس ۲/۹) ہمارے دل اس بات سے نہایت شکرگزاری کے ساتھ بھر جانے چاہئیں کہ اگرچہ ہم کیسے ہی نکمے ہیں تا ہم خدا ہمیں پیار کرتا ہماری پرورش کرتا اور ہماری قدر کرتا ہے

اُس کی بڑی قدرت کیا ہی بے حد ہے۔ اُس کی **قدرت** سے مراد وہ الٰہی قدرت ہے جو ایمان لانے والے کی نئی پیدائش سے لے کر اس کی قیامت تک نجات کے عمل میں اپنا کام کرتی رہی ہے۔ دیکھو رومیوں ۱/۱۶ و ۶/۱۱ - اول کرنتھیوں ۶/۱۴ و ۱۵/۴۳ - ۲ کرنتھیوں ۴/۷ و ۱۲/۹ و ۱۳/۴ - افسیوں ۳/۲۰،۲۶ وغیرہ

بڑی قوت کی تاثیر۔ اُس قوت کے نزدیک جس نے موت سے زندگی پیدا کر دکھائی۔ کوئی بات ناممکن نہیں۔ اصل یونانی میں لفظ **طاقت** کے لئے جو اس

مقام میں آیا ہے چار مترادف پائے جاتے ہیں (۱) عام **طاقت** (۲) وہ **طاقت** جو عملی حالت میں ہو یعنی **قدرت** (۳) وہ **طاقت** جو کسی بڑے زبردست مقابلہ کے وقت دکھائی جائے یعنی **قوت** (۴) کسی شخص کی جبلّی **طاقت** جو دوسروں تک پہنچ جائے یعنی **تاثیر**۔ افسوس کہ اردو زبان میں اس لفظ کے مختلف معانی میں بخوبی فرق نہیں دکھایا جا سکتا

۲۰۔ مقابلہ کرو اول پطرس ۳/۲۲ کے ساتھ۔

جب کہ اس کو مُردوں میں سے جلا کر۔ ایک طرح تو مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا اس کا اپنا اختیاری فعل تھا۔ کیونکہ اُس نے کہا تھا کہ "مجھے اپنی جان کے دینے اور اُس کے پھر لینے کا اختیار ہے" (یوحنا ۱۰/۱۸) لیکن عموماً عہد جدید سے پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ خدا کی مرضی کے مطابق تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت تھا کہ بیٹا خدا باپ کی نظروں میں مقبول ٹھیرا اور جس کام کے پورا کرنے کے لئے وہ اس دُنیا میں آیا تھا۔ اُس پر خدا باپ کی تائید اور منظوری ہو چکی (اعمال ۲/۲۴ و ۵/۳۰ و ۱۰/۴۰ و ۱۳/۳۰-۳۴ ۔ رومیوں ۱/۴ ۔ ۴/۲۴ ۔ اول کرنتھیوں ۶/۱۴ ۔ گلتیوں ۱/۱ ۔ اول تھسلنیکیوں ۱/۱۰ ۔ عبرانیوں ۱۳/۲۰)

نوٹ۔ مسیح کا جی اُٹھنا۔ اس امر واقعہ نے کہ یسوع مسیح فی الواقعی مر گیا اور پھر زندہ ہو گیا اُس کے شاگردوں پر اور کل دُنیا پر نہایت ہی تعجب خیز اور گہرا اثر کیا اور اس سے تواریخ انسانی میں ایک نیا دَور شروع ہو گیا۔

(۱) یہ اُس کے ابن خدا اور منجی آدمزاد ہونے کے دعاوی کا قطعی اور حتمی ثبوت تھا۔ اس واقعہ سے اُس کے شاگردوں میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوا۔ اور جب

رسول مقبول دمشق کی راہ پر مسیحیوں کو ستانے کے لئے چلا جا رہا تھا یہی وہ واقعہ تھا جس سے آخرش وہ خود بھی قائل ہو گیا۔

(ب) پھر یہ اس بات کے ممکن ہونے کا بھی ثبوت تھا کہ زندہ مسیح اپنے تمام شاگردوں میں ایک نئی اور تُند زندگی ودیعت کرتا ہے اور اس طرح یہ واقعہ مسیحی مذہب کی صداقت اور اصلیت کا ثبوت اور تشریح ہے۔

(ج) ہمارے اس اعتقاد اور منادی کی صداقت کی کہ یسوع مسیح سچ مچ خدا کا بیٹا ہے سب سے عجیب شہادت یہ ہے کہ ہمارا منجی مُردہ نہیں۔ وہ حقیقت میں زندہ ہے اور اپنی اُمت کے درمیان سکونت کرتا اور اُن میں ہو کر کام کرتا ہے اور اس لئے کہ وہ جیتا ہے وہ ہر ایک ملک میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا اور ان کے دلوں کو تسخیر کر رہا ہے۔ خدا باپ کا جلال ظاہر کرنے کے لئے قیامت مسیح۔ حیات مسیح اور جلالی مسیح کے موضوعات ہماری منادی کا ایک بڑا جزو ہونے چاہئیں۔

سوال۔ کیا مسیح میرے لئے ایک زندہ حقیقت ہے؟ کیا وہ درحقیقت میرے اندر سکونت کرتا ہے؟ اور کیا لوگ مجھ میں مسیح کو دیکھتے ہیں؟

اپنی دہنی طرف۔ نہ صرف مسیح مُردوں میں سے زندہ ہی کیا گیا بلکہ وہ حکومت۔ عزت اور حشمت کے آسمانی تخت پر سرفراز کیا گیا (اعمال ۷/۵۵۔ مکاشفہ ۱/۱۸ و ۳/۲۱)

آسمانی مقاموں پر۔ آیت ۳ کا نوٹ دیکھو۔

ہر طرح کی حکومت۔ اختیار وغیرہ۔ یہ تفاصیل اُن حکومتوں اور اختیارات کی موجودگی کی مظہر ہیں جو آسمان اور زمین میں پائی جاتی ہیں (رومیوں ۸/۳۸ کلسیوں ۱/۱۶ و ۲/۱۵ ۔ افسیوں ۳/۱۰ و ۶/۱۲ ۔ اول پطرس ۳/۲۲ ۔ نیز رومیوں ۵/(۱۲ و ۱۳) ۔ متی ۳۴/۲۴ ۔

اول کرنتھیوں ۱۵/۲۷) ان سب کے اوپر مسیح سردار ہے۔ مشرقی تھیاصوفی (تصوف) کی تاثیر کے سبب سے ایشیا کی کلیسیا میں فرشتوں کی پرستش اور اسی قسم کی دیگر کفر پرستیوں کے دلدل میں دھنستی جارہی تھیں۔ اس جملہ میں ان اباطیل کی طرف اتفاقی اشارہ ملامت کا پایا جاتا ہے۔ "ہر ایک نام جو بخشا گیا اُس سے بھی بڑھکر" (فلپیوں ۲/۹۔ مکاشفات ۲۲/اور ۳) اور فرشتوں کی حکومت کے مختلف مدارج سے بھی اعلیٰ ترین مقاموں پر پولُس رسول مسیح کو بیٹھا ہوا دیکھتا ہے

ہمارا خداوند ایک نبی ہی نہیں بلکہ ابد ایک سردار کاہن اور بادشاہ ہے۔ تمام شان اور شوکت اور جلال جو اُس نے اپنی رضامندی سے چھوڑ دیا تھا۔ اب پھر اُسے سونپا جاتا ہے۔ دیکھو یشیاہ ۹/۷۔ دانی ایل ۷/۱۳۔ اول تمطاؤس ۶/۱۵-۱۶ مکاشفات ۱۹/۱۶)

۲۲۔ سب کچھ اُس کے پاؤں تلے۔ دیکھو اول کرنتھیوں ۱۵/۲۷ اور زبور ۸/۵-۸ و ۱۱۰/۱۔ مسیح فتحمند بادشاہ اور حاکم ہے۔

سردار۔ مسیح کل شے پر افضل بنائے جانے کی وجہ سے کلیسیا کی حکومت۔ اُس کی روحانی طاقت اور زندگی کا وسیلہ ٹھیرتا ہے (اول کرنتھیوں ۱۱/۳۔ کلسیوں ۱/۱۸ و ۲/۱۰و۱۹۔ افسیوں ۴/۱۵ و ۵/۲۳) بدن کو یعنی کلیسیا کو ایسے سر کے لئے جو کل کا سردار ہے فخر کرنا واجب ہے۔ مسیح میں اور دیگر مذاہب کے دیوتاؤں اور اوتاروں میں آسمان و زمین کا فرق ہے! ع۔ ببیں تفاوتِ راہ است از کجا تا بہ کجا

نوٹ۔ خداوند یسوع مسیح ہی وہ لاثانی ہستی ہے جو اس قابل ہے کہ لوگوں کی دلی تمناؤں اور خواہشوں کو جو وہ خدا کی ماہیت کے انسانی اظہار کے متعلق رکھتے

ہیں پورا کر سکے اس لئے کہ وہ اُس کی ذات کا نقش ہے (عبرانیوں ۱/۳) وہ ہی اکیلا سچا اوتار ہے جس میں حقیقی الٰہی اوصاف پائے جاتے ہیں

کلیسیا۔ اس لفظ کے معنی "بلائے ہوئے" کے ہیں اور اس کا اطلاق اُن ایمانداروں کی جماعت پر ہوتا ہے جو دُنیا کی اطراف سے بلائے یا چنے گئے کہ مسیح کے ساتھ زندہ تعلق رکھیں اور اس کی خدمت کیلئے مخصوص ہوں۔ یہ تو اندرونی کلیسیا ہے۔ یہ لفظ اس خط میں نو مرتبہ ان ہی اعلےٰ معنوں میں آیا ہے اور اس کا مفہوم محض ایک بیرونی یا دینی جماعت ہی نہیں۔ دیکھو کلسیوں ۱/۱۸ و ۲۴۔ عبرانیوں ۱۲/۲۳۔ اعمال ۲۰/۲۸ افسیوں ۳/۱۰ و اول کرنتھیوں ۱۲/۲۶ و ۲۷)

اُس کا بدن ہے۔ اس محاورہ کا بس اتنا ہی مطلب نہیں کہ بدن کا سر کے ساتھ زندہ تعلق ہو بلکہ یہ بھی کہ اعضا بدنی اس کے آلۂ کار بنکر اس کی مرضی کی تکمیل کا موجب ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اعضا میں ایک نہایت ہی گہرا اتحاد اور باہمی شرکتِ عمل ہو

اُسی کی معموری۔ یہ جملہ مشکل ہے اسی وجہ سے اس پر بہت بحث و تمحیص ہوتی رہی ہے۔ کن معانی میں کلیسیا "مسیح کی معموری" کہلائی جا سکتی ہے؟ لفظ "معموری" کی دو بڑی تشریحات ہیں (۱) ایک تو یہ کہ جس طرح سر بدن کے بغیر مکمل نہیں اسی طرح مسیح بھی بذاتِ خود مکمل نہیں بلکہ کلیسیا اُس کی تکمیل یا بدنی حصہ ہے پس ظاہر ہوا کہ مسیح کو اپنی تکمیل کے لئے کلیسیا کی ضرورت ہے (۲) ایک اور مطلب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ کلیسیا مثل ایک بڑے ظرف یا برتن کے ہے جو مسیح کے فضل کی برکات سے لبریز ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ تمام الٰہی اوصاف جو مسیح کی

ذاتِ ستودہ صفات کی خاص ملکیت ہیں کلیسیا کی بھی کہ اس کا بدن ہے ملکیت ہیں۔ اگرچہ ہر دو توضیحات قابلِ قبول اور معقول ہیں لیکن آخرالذکر توضیح زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتی ہے۔ رسول یہ محاورہ معموری یا الوہیت کی معموری الٰہی اوصاف کے مجموعہ کے اظہار کے لئے استعمال کرتا ہے (کلسیوں ۱۹/۱ - ۹، ۱۰/۲) اور سب سے اول یہ معموری ازلی خدا میں پائی جاتی ہے۔ پھر جلالی مسیح میں اس کے بعد مسیح کے توسط سے پورے قد کے اندازہ کو پہنچی ہوئی (یعنی ترقی یافتہ) کلیسیا میں اور بالآخر عام معنوں میں کلیسیا کے ذریعہ سے تمام دُنیا میں ظاہر ہوتی ہے (افسیوں ۱۳/۴ و ۱۹/۳) واہ! یہ تصور کیا ہی اعلٰے اور عظیم الشان ہے! نیز کلیسیا کو جلالی خداوند کے بدن ہونے کی وجہ سے کیسی بڑی عزت دی جاتی ہے اس لئے اُس پر بھی واجب اور فرض ہے کہ وہ نہایت ہی خوبصورت۔ پسندیدہ اور بے داغ ہو جو سب کا معمور کرنے والا ہے۔ یہ نہایت ہی عجوبہ خیال ہے۔ مسیح خدا کی قدرت اور حکمت کے اپنے ذاتی انکشاف سے نہ فقط کلیسیا ہی کو معمور کرتا ہے بلکہ تمام مخلوقات کو بھی۔ یہ کیسا عجیب بھید ہے! خدا مسیح میں اور مسیح سب میں! یہی سچائی ہمہ اوست کے عقیدہ میں ایک اور رنگ میں پائی جاتی ہے۔

باب دُوُم۔ آیات ۱-۱۰

خدا کے فضل کے سبب سے مسیحیوں کی زندگی میں تبدیلی اور اُن کا آخری انجام

یہ جملہ نجات کے معنی پر نہایت ہی عمدہ تفسیر ہے۔ رسول خدا کی عظیم قدرت اور اُس کے لاانتہا فضل کا یہاں ایک اور منظر پیش کرتا ہے کہ جس کے الٰہی رحم اور فروتنی

کا ظہور غیر اقوام کے درمیان ہو چکا ہے اور نہ صرف اُن کے درمیان ہی بلکہ اُن میں بھی کہ جنہوں نے خدا سے روگردانی کی اور گناہ کے سبب سے اُس کے نزدیک مر گئے بدی کے کاموں کی اندھا دُھند پیروی۔ بُت پرستی اور شہوت رانی۔ ہمیشہ اپنے آپ کو خوش کرنے کا خیال۔ شہوانی خواہشوں کو پورا کرنے کی جستجو۔ روحانی طور پر سخت اور تباہ حال۔ یہ وہ قابلِ نفرین زندگی تھی جو وہ بسر کرتے تھے اور جس کا ذکر رسول بیان کرتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ یہ زندگی تو کیا موت سے کچھ کم نہ تھی لیکن خدا کا پیار اُن کے لئے جو ذِلت کے اسفل السافلین تک پہونچ گئے تھے جھک گیا اور انہیں تلاش کرکے باہر نکال لایا۔ اُن کے دلوں میں نئی زندگی اور نئی خواہشات کے جراثیم پیدا کئے۔ اُن کے چال چلن میں تبدیلی پیدا کی اور انہیں یسوع مسیح کے رفیق اور اُس کے جلال میں شریک بنا دکھایا۔ علاوہ بریں ان سے بھی بڑی چیزیں اور ہیں جو خدا کے اس عجیب وسیع اور عمیق پیار نے آئندہ کے لئے ایمانداروں کی خاطر محفوظ رکھی ہوئی ہیں۔ ایک ایک مسیحی کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اس بات کے لئے چُنا اور تیار کیا گیا ہے کہ وہ مسیح کا ہمشکل بن کر خدا کی کاریگری کا اظہار کرے۔ خدا کا شکر ہو کہ یوں وہ ہمیں گناہ کی قبر سے زندہ اٹھا کر مسیح کے ساتھ آسمانی مقاموں پر بٹھاتا ہے۔

یہ جملہ پولس رسول کی اَدق طرزِ تحریر کا نہایت ہی اعلٰے نمونہ ہے جس وقت وہ اپنے محرر کو اپنے خطوط تحریر کرواتا ہے تو اس کا دل بلاغتِ مضمون کی وجہ سے وجدانی سُرور کے مزے لیتا ہے فقرے شکستہ اور غیر مسلسل سے ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک لفظ اُسے کوئی نیا خیال سُجھاتا ہے تو وہ فوراً اُسے پکڑ لیتا اور اس خیال سے کہ

مبادا اُس کا مطلب یا مفہوم پُورے طور پر ادا ہونے سے رہ جائے وہ اس بات سے
بھی نہیں جھجکتا کہ جو سچائی پہلے بیان ہو چکی ہے اُس پر پھر عود کرکے اُسے دُہرایا جائے
اُس نے تمہیں بھی زندہ کیا۔ یہ فعل **زندہ کیا** یہاں متن میں موجود نہیں بلکہ
آیت ۵ میں پایا جاتا ہے اور اس جگہ بجائے **تمہیں ہمیں** استعمال ہوا ہے (شاید
اس لئے کہ رسول کے دل میں یہود اور غیر اقوام کا خیال باہم خلط ملط ہو گیا تھا) ہماری
نئی پیدائش کیا ہے۔ سچ مچ مُردوں میں سے یعنی روحانی موت کی حالت سے زندگی
پانا ہے (دیکھو یوحنا ۶/۲۴)

سوال۔ ایک زندہ **مسیحی** کی کیا نشانیاں ہیں؟ یہی کہ اس میں نئی الٰہی زندگی ۔
نئے خیال۔ نئی خواہشیں۔ نئے مقصد۔ نئی طاقتیں اور سرگرمیاں پائی جاتی ہیں۔
وہ ہمیشہ خدا کی برکتوں اور الٰہی فضل میں ترقی کرتا رہتا اور پھل پھول لاتا رہتا ہے۔

جب **مُردہ تھے۔** یعنی خدا سے جُدا ہو کر کہ وہی واحد چشمۂ زندگی ہے رُوحانی زندگی
سے خالی ہونا۔ ایک شخص جسمانی اور دماغی قوائے کے قائم ہونے کی وجہ سے زندہ تو ضرور
ہے لیکن ممکن ہے کہ رُوحانی طور پر کلیتہً مُردہ ہو۔

موت کیا ہے؟ (۱) موت احساس۔ حرکت اور ترقی کا عدم ہے یہ ایک کیفیت
ہے جس میں وہ زندہ عنصر جو زور۔ نشو ونما اور اظہارِ دل کے لئے ضروری ہے
معدوم ہو (۲) یہ وہ حالت ہے جس میں زندگی بخش طاقت موجود نہیں ہوتی۔ زندگی
زندگی ہی سے پیدا ہوتی ہے لیکن وہ شے جو خود ہی مُردہ ہو اپنے اندر سے زندگی
پیدا نہیں کر سکتی بلکہ بغیر وسیلہ کی جو خود سے اعلےٰ ترین ہو محتاج امداد ہوتی ہے۔
پس ظاہر ہوا کہ وہ عاصی اور خاطی لوگ جن کو نئی پیدائش حاصل نہیں ہوتی خدا

کے نزدیک اور پاکیزگی کے اعتبار سے مُردہ ہیں اُن میں سمِ قاتل سرایت کر چکا ہے
وہ رُوحانیت کا مطلقاً احساس نہیں رکھتے۔ انہیں روحانی نظارے دیکھنا نصیب
نہیں۔ آسمانی آوازوں کے سننے سے اُن کے کان نا آشنا ہیں اور بادِ صرصر میں دم
لینے کی تاب نہیں۔ خدا کی طرف وہ اپنی سنگدلی کی وجہ سے بالکل التفات نہیں
کرتے۔ خاندانی معاملات۔ کاروبار کے کام اور اس دیدنی دُنیا کی باتوں کے لئے وہ
زندہ ہوں تو ہوں لیکن انہیں الٰہی معرفت کے رازوں کے سمجھنے کا ہرگز ذرہ بھر
احساس نہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو لازوال اور ابدی ہونے کا حکم رکھتی ہیں
زندگی کا پیدا کرنا اُن کے بس میں نہیں وہ فنا فی الفانیات ہیں اور مایا میں مستغرق۔
دیکھو یوحنا ۳/۳ و ۵/۲۴ و ۶/۵۳۔ افسیوں ۵/۱۴ اول طیطس ۵/۶۔ اول یوحنا ۳/۱۴
و ۵/۱۲۔ مکاشفہ ۳/۱۔ اوپر ہی سے اُن کے لئے از سرِ نو پیدا ہونا از بس ضروری ہے

نوٹ۔ گناہ کی زندگی **موت** ہے لیکن نفس پرستی اور گناہ کی طرف سے مر جانا
عین زندگی ہے

اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب۔ ہمارا تعلق گناہوں کے باعث زندگی
نور اور محبت کے الٰہی سوتے سے منقطع ہو گیا ہے۔ گناہ وہ چیز ہے جو ہمیں خدا سے
کہ جس کے ہم ہیں جُدا کرتا ہے۔ ہمیں خدا باپ کی محبت اور رفاقت سے بجز خود رائی اور
نافرمانی کے جو در اصل گناہ کی جڑ اور موجب سرکشی ہیں کوئی چیز جُدا نہیں کر سکتی۔
گناہ خدا کے اختیار اور حکومت کے خلاف شدید غدر میں لگاتا ہے اور خدا اور انسان
کے باہمی اتحاد کو تباہ کرتا ہے۔ "گناہ خدا کے خلاف دشمنی ہے اس لئے کہ وہ اُس کی
شریعت کے تحت نہیں" گناہ دو قسم سے ہے (۱) ایک تو یہ کہ جو کام ہیں کرنا واجب

ہو آنے کرنے سے قاصر رہنا یا دوسرے لفظوں میں ہدف پر تیر چلانا لیکن تیر کا نشانہ سے
چوک جانا (ب) دوسری یہ کہ جو کام نہیں کرنا واجب نہ ہو تو بھی کرنا یا حد سے تجاوز کرنا۔
پس معلوم ہوا کہ (فطری اور الٰہی) شریعت کی عدول حکمی ہی کی وجہ سے یہ تمام آفات (یعنی
رنج اور غم۔ دُکھ۔ تکلیف حتیٰ کہ خود موت) ہم پہ نازل ہوئی ہیں۔ گناہ ہی ہماری جملہ
مصائب کا خاص سبب ہے

۲۔ دُنیا کی روش پر۔ یعنی موجودہ زمانہ کے چلن یا اُس زمانہ کی رُوح کے مطابق
(واضح ہو کہ رسول کا زمانہ پرلے درجہ کا بے دینی اور بدکاری کا بدنام زمانہ تھا)۔
لفظ دُنیا سے مراد یہاں عالم فطرت سے نہیں بلکہ اُس حالت موجودہ سے ہے جو انسانی
جماعت کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ لاریب یہ جماعت بگڑ گئی ہے اور نہایت گناہ آلودہ
ہو چکی ہے۔ خدا کا خیال تک دل میں نہ لاتے ہوئے اور اُس کے احکام سے قطعاً بے
پروا ہو کر اس جماعت کی تنظیم محض اپنے خود غرضانہ مقاصد۔ تکمیل خواہشات
اور فائدہ کے لئے کی جاتی ہے۔ دُنیاداری کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیاں
اور چال چلن ایسی ہی خود پرست دُنیا کے رسم و رواج۔ وضع و اطوار اور مطالبات
کے مطابق بنائیں۔ لیکن سچی اخلاقی اور رُوحانی ترقی کا انحصار دُنیاوی رواج کی
مخالفت پر موقوف ہے (دیکھو اول کرنتھیوں ۱/۲ - ۳/۱۹ - ۷/۳۱ و گلتیوں ۱/۴)
مسیحیوں کو یہ تو نہیں چاہیئے کہ دُنیا سے اپنے تئیں بالکل الگ تھلگ ہی
رکھیں لیکن ہاں اتنا ضرور چاہیئے کہ دُنیاوی معاملات اور کاروبار میں مصروف
ہوتے ہوئے اپنی رُوح بھی دُنیا دار نہ بنا لیں (متی ۵/۱۳-۱۴) جماعت کو ہر ایک
آلودگی اور کدورت سے پاک و صاف کرنے اور اُسے نیک اطوار بنانے میں ان

کی تاثیر نمایاں طور پہ کارگر ہونی چاہیئے۔ وہ اس دُنیا میں تو ہیں لیکن اس دُنیا
کے نہیں جس طرح کنول کے پتے پانی کے بیچوں بیچ تو ہیں لیکن قطرات آب نہ تو
اُنہیں لگ سکتے اور نہ ہی اُن پر ٹھیر سکتے ہیں۔ ہم اس دُنیاوی عالم ہی کے نہ ہو جائیں بلکہ
برخلاف اس کے اُس کی طرف "سے مصلوب ہو جائیں"۔

ہوا کی عملداری کا حاکم وغیرہ۔ اس کا اشارہ شیطان کی طرف ہے جیسے ہوا کی
عملداری کا یا اُن طاقتوں کا حاکم پکارا گیا ہے جن کا حلقۂ عمل ہوا میں ہو۔ نیز اُن
دنوں میں ایک قدرتی خیال پھیلا ہوا تھا کہ یہ ہوا جو کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے
ہے نیک و بد ارواح کا مسکن ہے جن کی کم و بیش تاثیر امور انسانی پہ ہوتی ہے
یہ جملہ اس خیال کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جس کی قرین قیاس صداقت کی
تائید مزید اُن کئی واقعات۔ بھی ہوتی ہے جو لوگوں کے تجربہ میں پہلے اور
آج کل بھی آئے ہیں۔ علاوہ بریں ارواح انسانی کی تاثیر جو ایک فاصلے سے بھی
وہ ایک دوسرے پر کیا کرتی ہیں اور جن کا حال سب پر روشن ہے پھر مرحومین
کی رُوحوں کا زندوں کی روحوں کے ساتھ ممکن سلسلۂ پیغام رسانی اور بالخصوص
متعدد حوالجات جو کتاب مقدس میں پائے جاتے ہیں یہ سب اس خیال کی تصدیق
کرتے ہیں۔ خود ہمارے خداوند کو بھی اچھی اور بُری رُوحوں کی ہستی تسلیم تھی وہ
بُری اور باغی رُوحیں جن کی تاثیر خراب ہوتی اور جو لوگوں کو گناہ کے امتحان میں
ڈالتی ہیں ایک قسم کی بُرائی کی بادشاہت کی بانی ہیں جس کا حاکم یا سردار خود
شیطان ہے جس کے دوسرے نام "ابلیس" "شریر" اور "اندھیرے کا شہزادہ"
ہیں اور جس کا ذکر بار بار کتاب مقدس میں آیا ہے۔ اسی شیطان کے گماشتے لوگوں

کو دُنیاوی اور نفسانی خواہشوں کے ارتکاب پر مائل کرتے پھرتے ہیں۔ خداوند کی دُعا میں ایک درخواست یہ بھی ہے کہ "ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ بُرے سے بچا۔"

اس موضوع پر رسول کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ذیل کے مقامات دیکھے جائیں اعمال ۱۳/۱۰ و ۲۶/۱۸ - رومیوں ۱۶/۲۰ - اول کرنتھیوں ۵/۵ و ۷/۵ - ۲ کرنتھیوں ۲/۱۱ و ۱۱/۱۴ - اول تھسلنیکیوں ۲/۱۸ اور افسیوں ۴/۲۷ و ۶/۱۱

نافرمانی کے فرزندوں میں۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے تابع نہیں کرتے شیطان کے غلام بن جاتے اور بُری رُوحوں کی تاثیر اور اختیار کے نیچے آ جاتے ہیں لیکن خدا کا شکر ہو کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح جو نُور کا شہزادہ ہے شیطان کے کاموں کو برباد کرنے اور جن لوگوں میں . . . . . بُری رُوحیں پائی جاتی ہیں اُنکے نکالنے کیلئے آیا تھا۔ مسیحی ممالک میں آسیب زدگی اب قریب قریب معدوم ہے۔ خدا کی عین مہربانی ہے کہ ناپاک رُوحوں کے مقابلہ میں روح القدس ہمیشہ لوگوں اور خاص کر مسیحیوں کے دلوں میں اپنا کام کر رہا ہے۔ ہمیں ان کے اقتدار سے مطلقاً خوفزدہ نہ ہونا چاہیئے

۳۔ جسم کی خواہشوں میں۔ آیات ۲ و ۳ میں ہماری رُوحانی زندگی کے تین بڑے دشمنوں کا ذکر آیا ہے یعنی دُنیا۔ جسم اور شیطان۔ لفظ جسم سے مُراد یہاں فقط جسمانی خواہشیں ہی نہیں بلکہ ہماری قوتِ عقلی کی تمام غیر فطری خواہشیں اور جذبات بھی۔ ہر قسم کی ناپاکی اور **خود پرستی** بھی اس میں شامل ہے رسول اس لفظ کو خودی کے معنوں میں استعمال کرتا ہے دکلسیوں ۲/۱۸۔ گلتیوں ۵/۱۷ و رومیوں (۵/۷ و ۹)۔

نوٹ۔ یہ لفظ جسم قابلِ لحاظ ہے اور عہدنامہ جدید میں جہاں کہیں گناہ کے سلسلہ میں استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مُراد **انسانی سیرت کی گری ہوئی حالت** میں ہو جاتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ گناہ جسم کو اور جسمانی ذرائع کو کام میں لاتا ہے۔ دیکھو رومیوں ۷/۱۸-۲۵

سوال۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ جسم کی عارضی خواہشات رُوح کی ابدی خوشی کی نسبت افضل ترین ہوں؟ اگر نہیں تو پھر اتنے لوگ کیوں ان کی تلاش میں زیادہ تر بھٹک رہتے ہیں؟

عقل کے ارادے۔ "ہر دو جسم" اور عقل کی طاقتیں معرضِ غلامی میں آ چکی ہیں۔ مُراد اس سے وہ بُرے خیال۔ توہمات اور ہماری عقل کے وہ منصوبے ہیں جن کا انجام بالعموم عملاً ظہور پذیر ہوتا ہے (متی ۱۵/۱۹ - ۲ کرنتھیوں ۱۰/۵ - یعقوب ۱/۱۳-۱۵) بے شمار لوگ ایسے ہیں جو بڑے ہوشیار ہیں لیکن وہ باطل خیالات اور خود پسندانہ ارادوں کے قابو میں ہیں اور خدا کی مرضی اور اختیار کی اُنہیں کچھ پروا نہیں۔ وہ اپنے ہی دل اور عقل کی خواہشات اور منصوبوں کی پیروی کرتے ہیں۔

نوٹ۔ محض انسانی عقل ہی پر دارومدار رکھنے کی وجہ سے اس دُنیا میں بڑی خرابی پیدا اور مصیبت نازل ہوئی ہے مثال کے طور پر ہمارے اپنے ہی دنوں یورپ کا جنگِ عظیم اسی عقل پرستی کا نتیجہ تھا۔

طبعی طور پر۔ ہمارے گناہ نہ فقط ہمارے گرد و نواحی حالات ہی سے پیدا ہوئے ہیں بلکہ ہماری اپنی طبیعت کے اندر سے یہ ظہور میں آتے ہیں کیونکہ اس میں شک نہیں کہ گناہ ہمارے رگ و ریشہ میں پایا جاتا ہے اور کسی موروثی مرض کی طرح

جیسے کہ کوڑھ یا کوئی اور بیماری ہو۔ اس سے کوئی بھی شخص بچ نہیں سکتا۔ یہ ہمارے
خون میں موجود ہے۔ پس بنی نوع انسان میں گناہ کے عالمگیر وجود کی یہی ایک وجہ ہے۔
غضب کے فرزند یہ ایک عبرانی محاورہ ہے اور اس کا مطلب "غضب کے
ماتحت" "سزا کے مستحق" ہے (استثنا ۲۵/۲ - اول سموئیل ۲۶/۱۶ - ۲ سموئیل ۱۲/۵)۔
گناہ خدا کے نزدیک نہایت ہی مکروہ اور مستوجب غضب شے ہے (یوحنا ۳/۳۶)۔
خدا کو کسی قسم کی ناپاکی، سرکشی یا بے ایمانی مطلقاً برداشت نہیں اور اس کا غضب
بے وجہ یا بے قاعدہ نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کی کامل اور بے انتہا پاکیزگی اور عدل
کی مخالفت کا نتیجہ ہے جو ان کو شریعت کی نافرمانی اور ناراستی کی طاقتوں کیساتھ ہے ہمارا
خدا بے شک ایک بھسم کرنیوالی آگ ہے اور اس کا غضب دہشت انگیز اور
واجبی ہے۔ ان گنہگاروں کے حق میں وہ بڑا ہولناک ہے (یشعیاہ ۳۳/۱۳-۱۴)
یہ بالکل سچ ہے کہ وہ گنہگار کو پیار کرتا ہے لیکن ضروری امر ہے کہ وہ گناہ سے
نفرت کرے اور گنہگار کو اسکی واجبی سزا بھی دے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ جب میں گناہ کرتا
ہوں۔ اس کا مجھے سزا دینا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سچ مچ مجھے پیار کرتا ہے۔
اگر وہ گناہ سے چشم پوشی کیا کرتا تو ہرگز دانا، منصف اور نیک خدا نہ ہوتا اور اگر میں
گناہوں سے توبہ نہ کروں تو جہنم کی سزا کا مستوجب ہونگا۔ لیکن اس نے اپنے بے
بیان رحم سے گنہگار کے لئے خلصی کا ایک وسیلہ بھی اس طرح مہیا کر دیا ہے کہ
اس کے عدل اور رحم کے ہر دو تقاضے پورے ہو جائیں

۴۔ **مگر خدا**۔ ہمیں اس "مگر" کے لئے نہایت شکرگذار ہونا چاہئیے۔ مگر خدا ہماری
ناپاک، گناہ آلودہ اور تباہ شدہ حالت کے تقابل میں کہ جس کا ذکر آیات ماقبل میں

آیا ہے۔ خدا کا یہ عجیب پیار اور بے بہا رحم کس شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ ہم
کیسے ذلیل اور نالائق تھے لیکن خدا کا سلوک ہمارے ساتھ کیسا کریمانہ ہے۔
اس کا رحم ہمیں کبھی چھوڑ نہیں دیتا اور سچ بات تو یہ ہے کہ اس نے کبھی بھی ہمیں پیار
کرنا، ہم پر ترس کھانا اور ہمارے لئے ترسنا ترک نہ کیا حالانکہ ہم اپنی نافرمانی اور
سرکشی کی وجہ سے اس کے نزدیک مردود اور اس کی محبت کے مستحق نہ رہے تھے۔
ہماری حالت ٹھیک اس مسرف بیٹے کی سی تھی جس نے جان بوجھ کر اپنے باپ
کی محبت سے اپنے آپ کو منقطع کر لیا اور ایک دور دراز ملک میں دیس نکالا لے
کر بھوکوں مرنے لگا۔ حتیٰ کہ تباہی کی حالت کو پہونچ گیا۔ لیکن خدا باپ کا دل اپنے
کھوئے ہوئے بچوں کیلئے ہمیشہ ترستا رہا ہے اور اس کی محبت کبھی زائل نہیں
ہونے پائی۔ خدا کی چشم محبت نے ہم پر نظر ترحم کی۔ اس نے ہمیں بچانے کے لئے
اپنے دست شفقت پھیلائے۔ وہ خود ہماری پیشوائی کو آیا کہ ہمیں گلے لگائے۔
اور فرزندیت کے تمام حقوق، نعمتیں اور خوشیاں ہمیں واپس سونپ دے۔ ہر ایک
شخص کے لئے چاہے وہ کتنا ہی گنہگار اور کم بخت کیوں نہ ہو نجات کی اُمید ہے
ہمارے لئے تو ممکن ہی نہیں کہ ہم خدا کے رحم کی برکتوں کا شمار یا اس کی محبت
کی عظمت کا موازنہ کر سکیں۔ آہ! خدا کی محبت کیسی بے بیان ہے! وہ صرف
قادر خدا ہی نہیں بلکہ محبت کرنیوالا خدا ہے لاریب خدا محبت ہے۔ وہ
بدرجۂ غایت ہمیں پیار کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے لئے دکھ اٹھانے تک کو تیار ہے۔
آؤ ہم یہ پیغام نرسنگا پھونک پھونک کر گوشہ گوشہ میں ایک ایک شخص کے گوشگذار
کریں **خدا محبت ہے**۔ سچ مچ یہی وہ خوشخبری ہے جو شب دیجور کو صبح نور بنا دیگی

سنگدلوں کو موم کر دیگی کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرکے بچ جائیں۔ ہاں ہاں یہ سب سے اعلیٰ اور افضل خوشخبری ہے جس کی مثال تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔ لہذا ہر ایک مسیحی کا فرض ہے کہ جگہ جگہ اس کا چرچا للکار للکار کر کرے۔

۵۔ آیت اول پر کے نوٹ دیکھو۔ نیز دیکھو اول یوحنا ۵: ۱۱-۱۲۔ رومیوں ۶: ۱-۱۱۔

تم کو فضل ہی سے نجات ملی۔ یہ فقرہ بطور جملہ معترضہ مندرج ہوا ہے تاکہ پڑھنے والوں کے یہ ذہن نشین ہو جائے کہ ان میں کوئی اپنی خوبی یا قابلیت نہیں اور وہ اپنے آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے بلکہ یہ سب کچھ خدا کے عین فضل کا ظہور ہے چاہئے کہ یہ حقیقت لوگوں پر بار بار آشکارا کی جائے کیونکہ ان کے خیال میں نجات اپنی ذاتی کوششوں سے کمائی جا سکتی ہے۔ لیکن نہیں ہم اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ وہ لوگ جو نجات پا گئے ہیں۔ دراصل خدا کے **فضل کے معجزے** ہی تو ہیں۔

۶۔ مسیح یسوع میں شامل کرکے۔ کسی غزل کے مطلع یا گیت کی استھائی کی طرح یہ جملہ یہاں پھر وارد ہوا ہے (اس باب کی آیات ۷-۱۰-۱۳-۲۱-۲۲ دیکھو) مسیحی خداوند مسیح کے ساتھ اس کی زندگی۔ اس کی موت۔ اس کی قیامت اور اس کے جلال میں شریک ہیں۔ یوں ابن آدم کی تاریخ ہر ایک شخص کی زندگی میں جو اس کے ساتھ سچے اور زندہ ایمان سے پیوستہ ہو چکا ہے۔ دہرائی جاتی ہے

الہٰی تجسم کا راز کیا ہی گہرا اور عجیب ہے۔ دیکھو یوحنا ۱: ۳۳-۳۸۔ تمام مذاہب کا یہ بنیادی مسئلہ ہے لیکن اس کا تسلی بخش حل فقط مسیحی مذہب ہی میں ہوا ہے یعنی یہ کہ خدا مسیح میں مجسم ہوا اور مسیح اپنے شاگردوں میں مجسم ہو کر نہ صرف ان پر الہٰی زندگی کا انکشاف کرتا بلکہ انہیں الہٰی زندگی عطا بھی فرماتا ہے۔ اس طرح خدا بنی آدم

میں تجسم لیتا ہے۔ آہ! کیا ہی حیرت انگیز ماجرا ہے۔ جب ایک انسانی روح نیا جنم لیتی ہے یا دیگر الفاظ میں جب کسی انسانی شخصیت میں الہٰی روح پھونکی جاتی ہے تو وہ شخص اپنی روحانی موت کی بےخبری اور بیچارگی کی حالت سے جگایا جاتا ہے۔ خدا کی محبت اس کے دل میں جو کبھی تاریک۔ سرد اور خالی تھا۔ انڈیلی جاتی ہے اور تب نور۔ آزادی اور قوت کی نئی اور مبارک زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ "میرا یہ بیٹا مر گیا تھا اب زندہ ہوا۔ کھویا ہوا تھا اب ملا ہے" (لوقا ۱۵: ۲۰-۲۴) پھر اس نے آنے والی آسمانی زندگی کی مبارک حالت بھی کیسی بعید الفہم ہوگی جب ہم گناہ۔ رنج اور ہر طرح کی خامیوں اور ناپاکیوں سے آزاد ہو کر اور ہمارے بدن مردوں میں سے جلائے جا کر مسیح کے ساتھ جلال پائینگے (لوقا ۲۲: ۲۸-۳۰۔ کلسیوں ۲: ۱۲ و ۳: ۱-۴۔ رومیوں ۸: ۱۱ و ۱۷۔ اول کرنتھیوں ۱۵: ۲۲ و ۴۹۔ یوحنا ۵: ۲۴-۲۸)

سوال۔ کیا میں اپنی زندگی اپنے خداوند کی حقیقی رفاقت میں جو مر کے جی اٹھا اور زندہ مسیح ہے صرف کرتا ہوں۔ کیا لوگ میری زندگی اور چال چلن سے اس کو مجھ میں دیکھتے ہیں؟

آسمانی مقاموں پر۔ باب اول کی تیسری اور بیسویں آیات کے نوٹ دیکھو۔

۷۔ آنے والے زمانوں میں۔ یہاں رسول ایک نہایت ہی عجیب پیشینگوئی بیان کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ تمام آنے والے زمانے اور انسانی نسلیں خدا کے فضل کی لاانتہا دولت کی شریک ہونگی۔

بے نہایت دولت۔ یہ پولس رسول کا محاورہ خصوصی ہے۔ دیکھو افسیوں ۱: ۷ و ۱: ۱۸ و ۲: ۴ و ۳: ۸ و نیز رومیوں ۹: ۲۳ و ۱۰: ۱۲ و ۱۱: ۳۳۔

فضل ہی سے ۔ یہ وہ موضوع ہے جو آیت ۵ میں بطور جملہ معترضہ مذکور ہوا تھا اب اسے پھر لے کر اس کی توضیح کی گئی ہے۔ کیسے بار بار اور کس خوشی کے ساتھ رسول اس بُنیادی صداقت پر غور و فکر کرتا ہے کہ نجات اعمال سے نہیں بلکہ سراسر خدا کی مُفت بخشش ہے جو ایمان کے ذریعہ عطا ہوتی ہے۔ یہ نہایت ہی اعلیٰ صداقت ہے جس کی تشریح رسول کے خط بنام رومیوں و گلتیوں میں بخوبی کی گئی ہے پھر اس کا بیان خاص وضاحت اور صفائی کے ساتھ رومیوں اور فلپیوں کے نام ہر دو خطوط کے باب سوم میں پایا جاتا ہے۔ منجملہ ان کے اسی باب کی آیات ۴ تا ۹ میں خدا کے اوصاف کیسی خوبصورت اور دلکش شکل میں بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ الفاظ **رحم کی دولت ۔ محبت ۔ فضل کی دولت ۔ مہربانی ۔ بخشش** ۔ یہ الٰہی اوصاف درخشاں تاروں کے گچھے کی طرح کس آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہیں!

تاکہ کوئی نہ فخر کرے ۔ انسان طبعاً کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ وہ اپنی پارسائی اور نیکی کا فخر کرنے لگ جاتے اور نجات حاصل کرنے کا انحصار اپنی ذاتی کوششوں پر رکھتے ہیں۔ اگرچہ ہم نالائق گنہگار ہیں پھر بھی ہم اپنی راستبازی کی "گندی دھجیوں" کی نمائش پسند کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی غریبی اور ناچارگی کا اعتراف بھی منظور نہیں۔ اکثر اوقات **فخر** یا تکبر ہمارے گناہوں میں سب سے خراب گناہ ہوتا ہے اور ہمیں داخل جنت ہونے سے باز رکھتا ہے (یہ تکبر ہی تھا جس کی وجہ سے شیطان بہشت سے نکالا گیا) لیکن خدا اپنے رحم سے ہمیں عجز سکھاتا اور ہمارے شیشۂ غرور کو چور چور کر کے خاک میں ملا دیتا ہے تاکہ سب تعریف اور جلال اُسی کو دیا جائے جسے در اصل زیبا ہے (رومیوں ۳ : ۲۷ ۔ اول کرنتھیوں ۱ : ۲۹ و ۳۱ ۔ گلتیوں ۶ : ۱۴ ۔ فلپیوں ۳ : ۳)

نوٹ ۔ کرم کی تعلیم انسان کے دل میں مایوسی پیدا کرتی ہے لیکن **فضل** کی تعلیم اُمید کی خوشخبری اور مسیحی مذہب کی ممتاز تعلیم ہے (دیکھنا یوحنا ۱ : ۱۶ و ۱۷ ۔ رومیوں ۳ : ۲۴ وغیرہ)

۱۰۔ ہم اپنی شکل و صورت کو خود نہیں بدل سکتے۔ اس لئے کہ خدا کی کاریگری ہیں (زبور ۱۰۰ : ۳) اصل یونانی میں اس لفظ کا مطلب **نظم** ہے (کیا ہم خدا کی نظم نہیں؟) یہ خدا ہی ہے جس نے ہمیں ہماری موجودہ ہیئت عطا فرمائی ہے کیا باعتبار اوّل پیدائش اور کیا باعتبار نو پیدائش (یعنی یسوع مسیح کے ذریعہ ہماری نجات) خدا آغاز ہی سے انجام دیکھتا ہے اور وہ ہماری تخلیق اور نجات میں اپنی ازلی تدبیر کو کام فرما رہا ہے۔ کیا ہم میں سے ہر ایک اپنے روزانہ تجربہ میں اس عجیب و غریب حقیقت کو محسوس کرتا ہے کہ ہم بھی خدا کے کسی مصرف کے ہیں؟ کیا میں نے اپنے آپ کو کلیتہً اُس صانع عظیم کے ہاتھوں میں سپرد کر دیا ہے کہ مجھ سے کوئی خوبصورت اور مناسب چیز بنائے؟ کیا اُس کا کچھ **نقش** مجھ میں ظاہر آتا ہے؟

نیک اعمال کے واسطے ۔ مسیحی شروع ہی سے نیک اعمال کرنے کے واسطے مقرر ہو چکے ہیں (۲ تمطاؤس ۲ : ۲۱) ہم نیک اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ نیک اعمال کیلئے بچائے جاتے ہیں۔ یہ ہماری نجات کی جڑ نہیں بلکہ پھل ہیں اور یہ مابہ الامتیاز قابل غور ہے۔ ہم صرف سزا کے، موت یا دوزخ کے خوف ہی سے نہیں بچائے گئے بلکہ ہماری نجات اس لئے ہوئی ہے کہ خدا کا جلال ظاہر کریں اور اپنے ہم جنسوں کی خدمت کریں۔ ماسوا اس کے نجات ہمیں اس لئے نہیں ملی کہ ہم بیٹھ کر روحانی برکتوں کا بے تصور لطف اٹھائیں یا جیسے ہندوستان میں سادھو اور سنیاسی کرتے ہیں اپنی نفس کے ناکارہ مثل خوار بن کر مذہبی گیان دھیان میں اپنی عمر عزیز رائیگاں صرف

کریں۔ یہ تقدس کا قدیم ہندو معیار ہے۔ لیکن نہیں۔ برعکس ازیں خدا نے ہمارے لئے نجات کا انتظام اس لئے کیا ہے کہ ہم اپنے چال وچلن میں بتدریج کامل ہو تے جایئں اور روزمرہ کے وہ تمام فرائض جو ہمارے حصے میں آیئں نہایت مستعدی اور وفاداری کے ساتھ ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ خدا کے جو ارادے ہماری نسبت ہیں۔ یہ فرائض اور ذمہ واریاں ان ہی کا ایک حصہ ہیں۔ سچی اور مکمل نجات کے لئے اس نئی حاصل کردہ زندگی میں لگاتار ترقی کئے جانا لازمی شرط ہے اور مسیحی چال چلن میں ترقی کرنے اور اُسے درجۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے باقاعدہ جدوجہد ایک جزو لاینفک ہے۔ ہمیں اپنی نجات کا کام اپنے آپ کئے جانا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ خدا ہی ہے جو ہم میں نیت اور عمل دونوں کو اپنے نیک ارادے کو انجام دینے کے لئے پیدا کرتا ہے (فلپیوں ۲/۱۲) منشاء الہٰی یہ ہے کہ ہم اس دُنیا میں اُس کے خوب مفید اور اوزاروں کا کام دینے کی قابلیت پیدا کریں۔ مسیح کی رُوحانی لڑائیوں میں لڑنے کے قابل اُس کے کھیتوں میں قلبہ رانی کے قابل اور اُس کی کلیسیا کی تعمیر میں استعمال ہونے کے قابل ہوں۔ جیسے یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا "جس نے مجھے بھیجا ہے ہمیں اُس کے کام دن ہی دن میں کرنے ضرور ہیں" (یوحنا ۹/۴)

نوٹ۔ انسان کے ساتھ اس گنہگارانہ حیثیت یا گری ہوئی حالت میں خدا کا طریق عمل۔
(۱) خدا نے افسوس کے بارہ میں اپنے مقصد ازلی کا انکشاف انسانوں پر کیا ہے (ا) نجات انسانی (ب) خدا کے بچے ہونے کی حیثیت سے انسان کے حقوق اور اختیار (ج) فرائض انسانی
(۲) خدا نے یہ تمام مقصد مسیح یسوع میں پورے کئے جو گویا اُس تمام کا جو خدا انسان کے لئے چاہتا تھا شمل خلاصہ کے تھا۔ مسیح میں الہٰی حکمت اور قدرت کے تمام

خزانے۔ نیز تمام انسانی صفات اور خصائل بصورتِ اکمل پائی جاتی ہیں۔ اُس میں الوہیت اور انسانیت کا ملاپ ہوتا ہے۔ ہاں وہ یعقوب کی سیڑھی ہے۔ جو آسمان اور زمین کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے

(۳) جس بات کا خدا نے مسیح میں خلاصتہً انکشاف کیا۔ اُس کا اُن میں جو مسیحی ہیں بتدریج اور مفصل طور پر منکشف ہونا ضرور ہے۔ وہ نئی زندگی اور نئی رشتہ داری میں اس لئے لائے گئے ہیں کہ خدا کی نیکی اور اس کی پُر پیار مہربانی کی دولت کے گواہ اور زندہ شاہد بن جایئں اور اس کی تکمیل مقاصد کی خاطر اس دُنیا میں اُس کے کارگذار ہو کر رہیں۔ مسیحی گناہ سے راستبازی کیلئے خدمتِ عامہ کی خاطر بچائے گئے ہیں

(۴) کن طریقوں سے خدا کے اِن اعلیٰ ارادوں کو پُورا کرنے کے لئے مسیحی عملی طور پر باہم وگر شرکت کر سکتے ہیں؟ (ا) ایمان سے (ب) محبت سے (ج) فرمانبرداری سے (د) بنی نوعِ انسان کی خدمت سے

باب دوم آیات ۱۱ تا ۲۲

مسیح کے کفارہ کے سبب غیر اقوام اسرائیل کے عہد کی نعمتوں کے شریک ہیں

جن غیر اقوام کو رسول خطاب کرتا ہے وہ ایک زمانہ میں خدا کے ساتھ عہد کے رشتوں میں شریک نہ تھے یہ تمام حقوق اسرائیل سے مختص تھے اور ان پر ختنہ کی علامت کی مہر لگی تھی۔ نہ فقط وہ اسرائیل کی سلطنت سے خارج ہی تھے بلکہ وہ نا امید تھے اور اس دُنیا میں خدا سے علیحدہ لیکن اب مسیح کی آمد سے صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے وہ تمام رکاوٹیں جو رسمی شریعت نے پیدا کر دی تھیں مسیح کے خون کے کامل کفارہ سے مٹا دی گئی ہیں۔ اب یہود اور غیر اقوام کے لئے

خُدا کے پاس جانے کا ایک ہی راستہ ہے ہر دو فریق کے لئے ایک نئی اور مشترکہ راہ کھول کر مسیح نے دونو کا باہمی تصفیہ کر دیا ہے اور خُدا کے ساتھ صلح کروا کے اُس نے بنی آدم میں بھی صُلح اور رضا مندی کا اعلان عام کر دیا ہے۔ انسان جو کبھی ایک دوسرے کے اور خُدا کے دشمن تھے اب بیٹے کی رُوح کے وسیلے لکھے خُدا باپ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور اب ایک بڑی اور زندہ ہیکل تعمیر ہوتی ہے جس کا کونے کا پتھر خود مسیح ہو گا اور جس میں یہودی اور غیر اقوام سب مل کر زندہ پتھر بنینگے کیونکہ اسے رُوح القدس کا مسکن (ہیکل) بننا ہے جس کی بخشش کا وعدہ سب کیلئے ہے۔

۱۱- پس یاد کرو - ہم پر عین فرض ہے کہ ہم ہمیشہ خُدا کے مقصد کے عجیب اور کریمانہ انکشاف کے لئے اُس کے شکرگذار ہوں جو اس نے تمام قوموں کو نیز اُن کو بھی جو غیر قوم کہلاتے تھے اپنے بیٹے مسیح کی رفاقت (اور جماعت) اور عہد میں شریک ہونے کی دعوتِ عام دینے سے کیا تھا۔ تمام مسیحیوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اُس "ہولناک گڑھے اور چکنی دلدل" میں سے اُوپر اُٹھائے گئے ہیں اور فرداً فرداً ہر مسیحی پر واجب ہے کہ وہ اپنی شخصی نجات کا عجیب و غریب بھید جو خُدا نے اُسے عطا فرمائی ہے دوسروں پر آشکارا کرے۔ علاوہ بریں ہم اس بات کو بھی نہ بھُولیں کہ ہمارے اپنے آباو اجداد غیر قوموں ہی میں شمار ہوتے تھے

غیر قومیں - بنی اسرائیل اپنے تئیں خاص اور مستثنےٰ طور پر خُدا کی برگزیدہ قوم کہتے تھے اور دوسری قوموں کو ٹھیک اُسی طرح سمجھتے تھے جیسے ایک اعلیٰ ذات کا ہندو دیگر مذہب کے لوگوں کو سمجھا کرتا ہے۔ حاشا یہ بھی سچ ہے کہ قبل ازیں کہ انجیلِ جلیل کی بشارت غیر اقوام میں ہوئی وہ اُن تمام روحانی برکات اور حقوق

سے کہ جن سے یہود بہرہ ور تھے مطلقاً "نا آشنا تھے - وہ لاخدا - نا اُمید اور اخلاق میں بالکل گرے ہوئے تھے

مختون کہلاتے ہیں - رسول یہاں یہ سکھاتا ہے کہ اس کے خیال میں محض جسمانی یا بیرونی رسم بے سُود ہے اور اسے بہت اہمیت نہ دینی چاہیئے (رومیوں ۲/۲۸-۲۹ - کلسیوں ۲/۱۱ - فلپیوں ۳/۳)

۱۲- مسیح سے جُدا - اس لئے کہ نافرمانی اور بُت پرستی کی وجہ سے وہ اُن تمام برکات سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں خارج اور محروم کر دیئے گئے تھے۔ انہیں اُس کی حضوری بھی میسر نہ تھی کہ جو جہان کا نُور تھا جو بنی نوعِ انسان کی اُمید اور دُنیا کا نجات دہندہ تھا۔

وعدے کے عہدوں سے ناواقف - اُن کا اُن متعدد عہدوں میں بھی جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق ابرہام - مُوسےٰ - یشوع - داؤد - یشعیاہ وغیرہم سے کئے گئے تھے کوئی حصّہ بخرہ نہ تھا

نا اُمید - تا وقتیکہ غیر اقوام کو مسیح کا علم نہ ہُوا جس کے وسیلے سے "حیات اور بقا معرضِ ظہور میں آئیں"۔ وہ اندھیرے اور بے ایمانی میں سرگردان پھرتے تھے چنانچہ قدیم مصنفین بھی رسول کے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سُقراط - افلاطون - مارکس آریلیس - کنفیوشس - بُدھ اور ایسے دیگر فلاسفہ کی تعلیم میں سچائی کے تاثرات - ارفع اور اعلیٰ خیالات اور انتہائی درجہ کی اخلاقی باتیں پائی جاتی ہیں لیکن ان میں سے ایک کو بھی رُوح کے آغاز اور انجام کے بارے میں یا دُنیائے مستقبل اور حیات بعد الممات کے متعلق کوئی یقینی

اُمید یا پختہ ایمان نہ تھا۔ اُنہیں کسی شخصی۔ پُر محبت آسمانی باپ کی ہستی کا مطلقاً صحیح تصوّر نہ تھا اور نہ ہی گناہ سے حصولِ نجات کا کوئی اعتبار۔ اُنہیں موت کے بعد کی مبارک زندگی کی کوئی پکّی اُمید نہ تھی (اور یہی حال ہندوستان کے غیر مسیحیوں کا ہے) موت میں کچھ تسکین نہ تھی۔ عام طور پر یہ خوش فہمی کا خیال اُن میں پایا جاتا تھا کہ "آؤ ہم کھائیں پئیں اور خوش ہوں کہ کل کو ہم مرینگے"۔ بلاشک یہی **کلجگ** تھا۔

دُنیا میں۔ یہ خیال کرکے کیسا افسوس ہوتا ہے کہ اس دُنیا میں جسے خدا نے اپنے بچوں کی خوشی کے لئے بنایا تھا۔ چاروں طرف ہولناک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور لوگ دُکھ مصیبت اور پریشانی میں دبے ہوئے تھے

خدا سے علیحدہ۔ (اس کے لغوی معنے دہریہ یا ناستک کے ہیں) اس حالت کا تصوّر نہایت ہی افسوسناک ہے۔ غیر اقوام کے بہتیرے خُدا تھے لیکن انہیں سچے خدا کا صحیح علم ہرگز نہ تھا۔ اہل افسس کو اپنی دیوی ڈائنا کا جو اُمّ الحیات (ماتا دیوی) کہلاتی تھی بے حد ناز تھا۔ اُن کا ایمان تھا۔ کہ اُس کا بُت آسمان سے گرا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس سب قوموں کے اپنے اپنے قومی خدا تھے لیکن وہ قریب قریب دہریہ یعنے بے خدا تھے اس لئے کہ اُن کے خدا مخلوق تھے یا دوسرے لفظوں میں اُن کے اپنے ہاتھ کی کاریگری۔ وہ خدا کو اپنی صورت پر بناتے تھے اور حقیقی خدا اُن کے نزدیک "ایک نامعلوم خدا" تھا۔ (اعمال ۱۷/۲۲-۲۳)

اس دُنیا میں خدا سے علیحدہ ہونا تو مثل اس کے ہے کہ بحرِ ظالم خیز پر انسان بغیر جہاز ران کے ہو۔ سخت بیماری کے وقت بغیر حکیم کے۔ قحط میں بغیر روٹی کے یا تکان اور بے بسی کے وقت بغیر آرام یا سکون کے۔ یہ تو مُسرف بیٹے کا سا حال تھا

جو اپنے باپ کے گھر سے دُور افتادہ کسی اجنبی مُلک میں فاقہ مستی کر رہا ہو۔ انسان کی یہ حالت کچھ نوشتۂ قدرت نہیں لیکن ہاں جب وہ بے خدا یا اس سے جس کی وہ **ملکیت ہیں** جُدا ہو جاتے ہیں تو اخلاقی طور پر گر کے بگڑ جاتے اور رُسوائی اور بدی کے اسفل میں ڈوب جاتے ہیں۔ دیکھو رومیوں ۱/۱۸-۳۲۔ نااُمید اور خُدا سے علیحدہ ہو کر ہم وہ سب کچھ جو انسان کیلئے سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز ہے کھو دیتے ہیں

۱۳۔ تم جو پہلے دُور تھے۔ غیر اقوام "دُور" کے سمجھے جاتے تھے اور یہودی "نزدیک" کے۔ (اعمال ۲/۳۹۔ افسیوں ۲/۱۷) اس لئے کہ اول الذکر اسرائیل کی سلطنت سے خارج متصوّر ہوتے تھے اور اُنہیں یہودیوں کے ساتھ عبادت یا خورد و نوش کی اجازت نہ تھی۔ ہیکل میں اُنہیں باہر کھڑے رہنے کیلئے جگہ دی جاتی تھی جسے "غیر اقوام کے لئے خاص جگہ یا میدان" کہتے تھے اور "پاک مکان" سے بذریعہ ایک دیوارِ حائلہ الگ رکھے جاتے تھے۔ اگلی آیت دیکھو

ہم کبھی نہ بھولیں کہ ہمارے باپ دادے پہلے **دُور تھے**

مسیح کے خون کے سبب سے۔ انسان تو خدا سے جُدا ہو گئے تھے لیکن خدا انسان سے جُدا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا دُنیا کو بخشا کہ انسان ہلاک نہ ہوں بلکہ باپ کے ساتھ پھر میل و ملاپ کر لیں۔ یہ خدا کی نہایت ہی عظیم قربانی تھی جو وہ اپنی طرف سے دُنیا کو پیش کر سکتا تھا۔ مسیح کا خون جو بطور قربانی بہایا گیا اُس کی کمال فرمانبرداری اور بنی نوع انسان کی خاطر اپنی زندگی کو خدا کے مطیع کرنے کی علامت تھی اس کے طفیل غیر اقوام کے لئے بھی راہ کھل گئی کہ نئے عہد میں داخل ہو کر یہودیوں کے ساتھ برابر کے شریک ہوں۔ دیکھو

خروج ۲۴/۸ - عبرانیوں ۹/۱۴ اور خصوصاً خداوند مسیح کے اپنے الفاظ جو متی ۲۶/۲۸ میں درج ہیں۔ یسوع مسیح کی صلیبی موت ایک عالمگیر قربانی تھی۔ کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لئے (۲ کرنتھیوں ۵/۱۹)

نوٹ ۔ خُون کے بہانے سے مُراد دراصل دوسروں کی زندگی کی خاطر جان دینا ہے اور یہ پیار کی اعلیٰ ترین آزمائش ہے جس کا ثبوت مسیح نے بلا امتیاز سب کے لئے دے کر دکھا دیا۔

۱۴ - **وُہی ہماری صُلح ہے** ۔ مسیح کا جو شاہزادۂ امن ہے اس دُنیا میں آنے کا ایک نہایت ہی عالی مقصد یہ تھا کہ تمام عداوتیں (خصوصاً وہ عداوت جو یہودیوں اور غیر اقوام میں دیر سے چلی آتی تھی) دُور کر دے اور تمام رُکاوٹیں ہٹا کر دُنیا میں عالمگیر صُلح اور رضامندی قائم کرے۔ اب سے یہودی اور غیر اقوام مساوی حقوق رکھتے ہوئے آپس میں بھائی بھائی اور ایک ہی خاندان کے ممبر بن کر رہ سکتے ہیں (گلتیوں ۳/۲۶و۲۸)

سوال - (۱) کیا قوموں کا ایک دُوسرے کے خلاف جنگ آزمائیاں کرنا ناجائز نہیں ہے ؟

(۲) ذات پات کے معاملات اور قومی تفرقات کے بارے میں جو آج کل ہندوستان میں زوروں پر ہیں ہمارا انداز یا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے ۔

(۳) کیا مسیحی کلیسیا میں ذات پات کے افتراقی خیالات جو مسیح کی تعلیم اور اُس کے نمونہ کی عین ضد ہیں خاص طور پر قابلِ نفرین اور نا درست نہیں ؟

دیوار جو بیچ میں تھی ۔ اس محاورہ کا اشارہ یہودیوں کی رسمی شریعت اور قوانین کی طرف ہے جنہوں نے بیچ کی دیوار بن کر غیر اقوام کو الہٰی عہد سے علیحدہ کر رکھا تھا۔ رسول خوش ہے کہ یہ درمیانی دیوار اب ہٹ گئی ہے۔ اس کا خاص اشارہ ہیکل یروشلم کی سنگ مرمری دیوار کی طرف ہے جو اندرونی حِصّہ کو بیرونی سے جُدا کرتی تھی۔ اس دیوار پر جابجا بطور تنبیہ کتبے درج ہیں کہ غیر قوم کے افراد پاک مکان میں داخل نہ ہوں ورنہ سزائے موت کے مستوجب ہونگے ۔

نوٹ ۔ ہیکل مذکور میں دو حصّے تھے جو خاص تشبیہی وقعت رکھتے ہیں

(۱) وہ **بڑا پردہ** جو پاک مکان کو چھپاتا تھا خدا کے ساتھ انسان کی جدائی کی علامت تھی۔ عبرانیوں ۹/۸ ۔

(۲) وہ درمیانی سنگ مرمری دیوار اس بات کی مظہر تھی کہ غیر اقوام کو خدا کی برگزیدہ قوم یعنی یہود کے حقوق اور برکات حاصل نہیں۔ رسول اپنی تعلیم میں خاص طور سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ سِتر **اول** کے ساتھ سِترِ **دوم** کی موقوفی بھی لازم و ملزوم ہے (کلسیوں ۱/۲۰-۲۲ و ۲/۱۴-۱۵)

۱۵ - ہمارے خداوند مسیح نے اپنے جسم کے ذریعے سے یہود اور غیر اقوام کی باہمی عداوت کا جو سبب تھا اُسے دُور کر دیا یعنی وہ گناہ آلودہ جسم کر آیا اور انسان کا قائم مقام ہو کر خُدا کا برّہ بنا اور مذبح پر اپنی جان نثار کر دی (افسیوں ۵/۲ ۔ کلسیوں ۱/۲۱-۲۲) ۔ اس نے شریعت کو محض رسمی شریعت یا ایک ایسا ضابطہ قانون جان کر کہ جس کے بعض آئین عائد کردہ ہی خدا کے ساتھ مقبولیت حاصل کرنے کی قطعی شرط سمجھے جاتے تھے منسوخ کر دیا یُوں مسیح نے "حرفی شریعت" کو جو اپنے عمل میں جُدائی پیدا کرنے والی اور مانع اتحاد تھی منسوخ کر دیا اور رُوح کی

شریعت کو جو آزادی اور آزادخیالی کی شریعت بھی قائم کیا تاکہ وہ ایک دیوار **مفارقت** ہونے کی بجائے **رشتۂ** اتحاد پیدا کرنے کا وسیلہ ہو

ایک نیا انسان۔ یہ کیا ہی عجیب وغریب خیال ہے۔ دوسرے لفظوں میں مطلب یہ کہ تمام مسیحی۔ یہودی ہوں یا غیر اقوام سب متحد ہو کر ایک نئی تنظیم انسانی یا نئی جماعت کی۔ جو گویا ایک واحد شخصیت یا واحد جسم ہو۔ بنا ڈالتے ہیں۔ (اول کرنتھیوں ۱۲ باب) جس طرح عام معنوں میں ہم سب آدم میں ایک ہیں خدا کی نظر میں ہم سب مسیح میں بھی ایک ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی اعلیٰ اصول ہے جس کو ہمیشہ اہمیت دینا مناسب ہے۔ سر کے اتحاد کے ساتھ اعضا جسمانی کا باہمی اتحاد بھی شرط لازم ہے لہٰذا مسیحیوں میں خاص یکجہتی اور پیار ہونا چاہیے

۱۶۔ اس آیت میں مسئلہ کفارہ کا ایک بڑا پہلو ہمارے پیش نظر ہے۔ مسیح کی صلیبی موت سے خون کی قربانیوں کی تمام ریت رسموں کا سدِ باب ہو گیا اس لئے کہ اس نے ایک عظیم اور آخری قربانی خود ادا کی۔ گناہ نے خدا اور انسان میں اور انسان انسان میں نااتفاقی پیدا کی تھی لیکن مسیح کی زندگی جس کا انجام موت ہوا خدا کی مکمل شریعت اور **میل محبت** کے کامل نمونہ کی پوری تکمیل تھی اور اس طرح اس نے خدا اور انسان کی اور بنی نوع انسان کی باہمی عداوت کو نیست ونابود کر دیا۔ اپنے تجسم سے وہ جو کامل ابن خدا تھا اب کامل ابن آدم بن جاتا ہے اور اس کے کامل کفارہ کے طفیل تمام بنی آدم آپس میں متحد ہو جاتے اور باپ کی فرمانبرداری کرنے سے خدا اور انسان کا باہمی میل وملاپ ہو جاتا ہے اور یہی اس کے اس دنیا میں آنے کا ایک اعلےٰ مقصد تھا۔ہاں

مسیح مصلوب کا منصب یہ تھا کہ تمام قوموں کو اپنی طرف کھینچ لائے اور کیا یہودی کیا یونانی سب اپنے آپ کو اسی واحد محبت کے گرویدہ۔ اسی واحد معافی میں شریک اور بروز پنتیکوست اسی روح القدس سے بپتسمہ پا کر زیر صلیب اکٹھے مصروف گریہ وماتم پاتے ہیں۔ صلیب جو پیار کا سب سے اعلیٰ و بالا اور حتمی ثبوت ہے بنی نوع انسان کو مسیح کی طرف کھینچنے اور انہیں باہم متحد کرنے میں مقناطیسی اثر رکھتی ہے۔ صلیب پر مسیح کے پھیلے ہوئے ہاتھ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لوگوں کو آپس میں ملاتے ہیں

۱۷۔ **صلح کی خوشخبری**۔ مسیح کے ایلچیوں کا پیغام پیام صلح ہے (۲ کرنتھیوں ۵/۲۰۔ اعمال ۱۰/۳۶) ہمارے خداوند کی بڑی خواہش یہ ہے کہ اس کے شاگردوں اور کلیسیا میں یکتائی اور میل ہو (یوحنا ۱۷/۲۱) اس بات کا خوب لحاظ رہے کہ لفظ **صلح** چار آیات میں چار دفعہ وارد ہوا ہے (نیز دیکھو رومیوں ۵/۱۰۔ ۲ کرنتھیوں ۵/۱۸-۲۱۔ ططس ۳/۱۱)

تمہیں جو دور تھے۔ آیت ۱۳ کے نوٹ دیکھو۔

رسول بنی نوع انسان کی صلح کا امکان مسیح میں دیکھتا ہے کیونکہ فقط مسیح ہی کی زیر حکومت اور اس کی محبت کے پرچم تلے جملہ اقوام برادرانہ طور پر متحد ہو سکتی ہیں

اہل ہند کو ابھی یہ صداقت ذہن نشین ہونی ہے اگر لوگ مسیح کی محبت کے نشے سے سرشار ہو جائیں تو تمام افتراق اور انشقاق از خود ملیامیٹ ہو سکتے ہیں کیونکہ مسیح وہ شاہ محبت ہے جس کے آگے یہودی اور یونانی۔ انگریز اور

ہندی - سفید فام اور سیاہ فام - امیر اور غریب - مرد اور عورت سب برابر ہیں ہاں یہ سب مسیحی ہیں اور آقائے واحد کے شاگرد مشترکہ محبت کے لئے ضروری ہے کہ رشتہ بھی مشترک ہو - آؤ ہم دُعا مانگیں اور اس مبارک زمانہ کے لئے شاہراہِ اُمید پر چشم براہ رہیں!

نوٹ - یہ امر موجب مسرت ہے کہ ان دنوں مختلف مسیحی فرقے قریب تر اتحاد اور شرکت کے خواہاں ہیں - افسوس ہے کہ سابق میں باہمی حسد زوروں پر رہا ہے لیکن اب مسیحی کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ وہ سب دیواریں جو مسیحیوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھتی ہیں گرا ڈالیں اور ذات پات کے جھگڑے - نااتفاقیاں - تکرار - رقابت - تفرقہ پردازی کی رُوح اپنے اندر سے نکال پھینکیں - ان کا وجود مسیحی مذہب کی ترقی کے لئے بڑی بھاری رُکاوٹ ہے اور کلیسیا کی تاثیر کو کارگر اور اُس کی ہستی کو فائدہ مند ہونے سے روکتا ہے (ہندوستان کا مشہور میوہ چھوت ہے اور اس کا باعث ہزار لعنت ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں) کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کی عزت کرنا اور آپس میں محبت کرنا سکھائے - ہم لوگوں کو مقابلہ بازی کا نہیں بلکہ اتحادِ عمل کا اہم سبق سیکھنا ہے خلاصہ جس کا مسیح کے اس سنہری قانون میں مجتمع ہے کہ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں تم بھی ویسا ہی اُن کے ساتھ کرو - مگر آہ! مقامِ افسوس اور شرم ہے کہ ان نام نہاد مسیحی اقوام نے ابھی تک یہ سبق نہیں سیکھا - لیکن فرضِ اولین یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ کو خدا کی زیرِ اطاعت لائیں اور اس سے میل ملاپ کریں کیونکہ جب تک

خدا کی ابویت تمام دُنیا ہم آہنگ ہو کر تسلیم نہ کرلے - اخوتِ انسانی ایک امرِ ناممکن ہے

ایک ہی رُوح میں - خدا باپ کے پاس ایک ہی رُوح میں آکر سب بیٹے ہوئے بچے ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں - معاشری رُکاوٹیں - ذات پات کے اختلاف - خاندانی تنازعے - باہمی حسد اور بُغض - شخصی جھگڑے اور قومی عداوتیں نسیاً منسیاً ہوجاتی ہیں - سچ مچ رُوح القدس بڑا مصلح کن ہے کتنی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے آپس میں جُدائی واقع ہوجاتی اور ایک ایسے زبردست رشتہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اُنہیں متحد کرسکے - یہ اتحاد ایک رُوحانی رشتہ ہوگا -

نوٹ - اس آیت میں مسئلہ تثلیث کی تعلیم نہایت صاف طور سے بیان ہوئی ہے - باپ - بیٹا اور رُوح القدس ایمانداروں کے ساتھ اپنے تعلقات میں اور اُن پر اپنی تاثیر میں مصروف ہیں -

(۲ کرنتھیوں ۱۳/۱۴ - اول پطرس ۱/۲ - یہوداہ آیت ۲۰)

۱۹ - رسول اپنا روئے سخن اب غیر قوم مسیحیوں کی طرف پھیرتا اور اُن کے درجہ اور حقوق کی عظمت اور منزلت نیز بحیثیت مجموعی بنی نوع انسان کے ساتھ خدا کے طرزِ عمل کا انجام بیان فرماتا ہے

ہم وطن - وہ فضل کی سرزمین کے محض عارضی نہیں بلکہ مستقل باشندے تھے - سلطنت کے تمام حقوق اُنہیں حاصل تھے اور ایمانداروں کے ساتھ مشترکہ رفاقت میں باہم پیوستہ تھے (گلتیوں ۴/۲۶ - فلپیوں ۳/۲۰ - عبرانیوں ۱۱/۱۰و۱۶ - مکاشفہ ۳/۱۲)

خدا کے گھرانے کے یعنے ایک ہی خاندان کے افراد اور واحد اخوت میں باہم منسلک (گلتیوں ۶/۲- اول تمطاؤس ۳/۱۵ و ۵/۸- عبرانیوں ۲/۳- اوّل پطرس ۴/۱۷) وہ جو کبھی اجنبی اور آوارہ تھے خدا باپ کے گھرانے میں دوبارہ داخل کئے جاتے ہیں۔ جہاں ہر ایک کی متفرق احتیاجات اور ہر کسی کے آرام کے لئے انتظام موجود ہے (لوقا ۱۵/۲۲-۱۵ و ۱۲/۲۴) اس گھرانے میں ہم نوکروں کی نہیں بلکہ فرزندوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہماری خدمت کسی اُجرت یا صلے کی غرض سے نہیں بلکہ محبت کی آزادی کے ساتھ ہوتی ہے۔ علاوہ بریں اس میں ہر قسم کی رائے رکھنے والے مختلف مزاج اور قابلیت والے اشخاص کی گنجائش ہے۔

۲۰ آیت۔ اور رسولوں اور نبیوں کی نیو پر جس کے کونے کے سرے کا پتھر خود یسوع مسیح ہے تعمیر کئے گئے ہو۔ اب ایک اور تشبیہ استعمال ہوئی یعنی کلیسیا کو ایک بڑی عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے (دیکھو ا کرنتھی ۳-۹ و ۱۰ + ا پطرس ۲-۴ سے ۸ + یہوداہ ۲۰ آیت) اس عمارت کی بنیاد رسول اور انبیا ہیں خاصکر اُن کی تعلیم اور شہادت مقدسوں کے ایمان کی بنیاد یہی ہے (متی ۱۶-۱۸ + ۲ تیمتھیس ۲-۱۹ + مکاشفہ ۲۱ ۱۴) غالباً لفظ انبیا سے یہاں نئے عہدنامے کے انبیا کی طرف اشارہ ہے (افسیوں ۳-۵ + ۴-۱۱ + اعمال ۱۵-۳۲) مثلاً برنباس سیلاس اور لوقا جیسے لوگ جو بعض رسولی فرائض ادا کرنے میں شریک تھے (اعمال ۱۱-۲۸ + ا کرنتھی ۱۴ باب) اُن کا تقرر خاص اس غرض سے تھا کہ منادی کریں اور تعلیم دیں وہ جگہ جگہ دورہ کرتے اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور مسیحی تعلیم کی اشاعت میں اُنہوں نے بڑی مدد دی۔

کونے کے سرے کا پتھر۔ دیکھو ا پطرس ۲-۶ عمارت کے کونے کا پتھر ایک خاص اہم پتھر ہوتا ہے جو بنیاد کے ایک کونے میں دھرا جاتا ہے اور دو دیواروں کو پیوستہ کرتا ہے جیسے درحقیقت بنیا بھی عمارت بھی محفوظ اور مضبوط ہوتی ہے

اسی طرح یسوع مسیح کے ذریعہ اس تعلیم کو پیوستگی اور پختگی حاصل ہوتی ہے جس پر کہ اس کی کلیسیا بنی ہے اس عمارت میں فی الحقیقت وہ خاص اور اہم پتھر ہے۔ (یسعیاہ ۲۸-۱۶ + یرمیاہ ۵۱-۲۶)

۲۱ - اُسی میں ہر ایک عمارت مل ملا کر خداوند میں ایک پاک مقدس بنتی جاتی ہے۔ اب تشبیہ ایک بڑے سندر یا ہیکل سے دی گئی ہے جس کے مختلف حصے ہیں یا جس میں مختلف عمارتیں ہیں اور ان عمارتوں میں سے ہر ایک کی کچھ نہ کچھ خصوصیت ہے۔ یہ کُل عمارت ایک بڑا مُقدس ہے۔ جو مخلصی یافتہ انسانوں کا مسکن ہے جس میں خدا بستا ہے اور یہ روز بروز تکمیل کو پہنچتی جاتی ہے جیسے قومیں اور فرقے اس میں شامل ہوتے جاتے ہیں اور اس اصلی نقشے کے مطابق اپنی اپنی مناسب جگہ پر آتے جاتے ہیں۔ جب تک کہ ساری عمارت مکمل نہ ہو جائے۔ رسول نے یہ تشبیہ یا تو یروشلم کی ہیکل سے لی ہوگی۔ یا افسس کی ڈائنا (ارتمس) دیوی کے مندر سے۔

مل ملا کر۔ قومی اور شخصی تفرقے نظرانداز کئے جاتے ہیں اور مسیحی حقیقی یگانگت کے بند سے باندھے جاتے ہیں تاکہ اُن کو زیادہ اتحاد۔ طاقت اور مضبوطی حاصل ہو۔

ایک پاک مقدس۔ زندہ کلیسیا زندہ خدا کا گھر ہے۔ گو ابتک یہ غیر مکمل اور ادھورا ہے لیکن جوں جوں کلیسیا کا اتحاد مسیح کیساتھ بڑھتا جائیگا اور وہ رُوح القدس سے بھرتی جائیگی تو وہ خدا کی حضوری اور بھرپوری کے لئے زیادہ پاک اور قابل بنتی جائیگی اور اس کا جلال اُس کے ذریعہ زیادہ زیادہ ظاہر ہوتا جائیگا۔

۲۲ - اور تم بھی اس میں باہم تعمیر کئے جاتے ہو تاکہ رُوح میں خدا کا مسکن بنو۔

رُوح میں۔ یعنی رُوح القدس کے متواتر عمل کرنے کے ذریعہ عمارت کا ہر ایک

پتھر مقدس اور زندہ پتھر بنتا جاتا ہے۔ کیا سارے مسیحی اس امر کو محسوس کرتے ہیں کہ
ہر ایک مسیحی کا شخصی حصہ دُنیا پر خُدا کا جلال ظاہر کرنے میں ہے ہر مسیحی اپنی اپنی جگہ یہ
کام سرانجام دے۔ (۱ پطرس ۲-۵) افسوس کتنے مسیحی روح القدس سے معمور نہیں اور
اس لئے اُن میں زندگی بھی بہت تھوڑی پائی جاتی ہے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ
ان کی محبت بھی تھوڑی ہے اور دُنیا میں اُن کا اثر بھی تھوڑا ہے۔ انہوں نے
خدا کی ہیکل کی تعظیم اور حشمت میں کچھ حصہ نہیں لیا۔

خدا کا مسکن - یعنی قادر مطلق خدا کے بسنے کا دائمی مسکن۔ یہ کیسا عجیب تصور ہے
اور کیسی عزت ہے! دیکھو یوحنا ۱۴-۲۳ + ۲ کرنتھی ۶-۱۶ ا تیمتھیس ۳-۱۵)

نوٹ ۱۔ مسیحی کلیسیا ایک باانتظام سوسائٹی ہے اور چار تشبیہوں کے ذریعہ اس
کا بیان ہوا ہے اور ان چاروں سے گہرا اتفاق اور اتحاد ظاہر کیا جاتا ہے۔
(۱) کلیسیا ایک ریاست یا سلطنت ہے جس میں مسیحی اشخاص وفادار رعیت شہری
ہیں۔ اُن کو پورے حقوق حاصل ہیں وہ اپنے خداوند کی خدمت میں جان و تن
سے مصروف ہیں۔ ساتھ ہی وہ اپنے ہم وطنوں کی بہبودی کیلئے مل کر خدمت کرتے ہیں
(۲) کلیسیا ایک گھرانا ہے جس کے شُرکا خدا کے بچے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے بھائی
بہن ہیں۔ سلطنت کی نسبت یہاں زیادہ قریبی اور مبارک رشتہ ظاہر کیا جاتا
ہے۔ یہ رشتہ نہ صرف اسی دُنیا میں ہے بلکہ اگلے جہان تک پہنچتا ہے۔
(۳) کلیسیا ہیکل ہے جس میں خدا کا جلال درخشاں ہے اور جس کے وسیلے خدا
اپنے تئیں منکشف کرتا ہے اور جس میں خدا اپنے لوگوں کے دلوں سے کلام کرتا ہے
اس ہیکل کی ایک بنیاد اور ایک کونے کا پتھر ہے اور یہ عمارت مختلف حصّوں سے

بنتی ہے اور یہ مختلف حصّے مختلف قومیں اور فرقے ہیں جن سے یہ زندہ اور روزمرہ
ترقی کرنے والی زندہ ہیکل بنتی ہے۔ یہ عمارت باپ کے لئے رُوح کے وسیلے
بیٹے سے تعمیر کی گئی ہے۔

خُدا کرے کہ مسیحی کلیسیا اس دُنیا میں زیادہ آب و تاب کے ساتھ چمکے اور الہٰی
نور و زندگی و جلال سے زیادہ و زیادہ معمور ہوتی جائے۔ جہاں خدا بستا ہے وہاں
محبت۔ راستی۔ عدل۔ رحم اور ساری اچھی نعمتوں کا بھی مسکن ہے
(۴) یہ کلیسیا خُدا کی ہیکل بھی ہے اور اس کا مسکن بھی ہے یہ اُس اعلیٰ معمار کے
نقشے کے مطابق اُس کے اپنے بسنے کے لئے بنتی جا رہی ہے۔ وہ صرف چند اوقات
پر ہی اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتا۔ نہ چند موقعوں ہی پر بلکہ وہ اپنی امت کے درمیان
مستقل طور سے رہنے میں خوش ہوتا ہے اُس کی محبت اور اُس کی قدرت اس
گھر کے ہر حصّے کو معمور کر دیتے ہیں۔

نوٹ ۲۔ پانچ جملے ایسے لکھو جن میں ہمارا پہلا رشتہ خُدا سے ظاہر ہو (آیت ۱۲)
نیز چار ایسے جملے لکھو جن سے ہماری موجودہ حالت یا رشتہ مسیح میں خدا سے ظاہر ہو
(آیات ۱۴ سے ۲۲)۔ ان صداقتوں کا عملی اثر ہماری زندگیوں پر کیا ہے؟

تیسرا باب

۳ باب ۱ سے ۱۳۔ خدا کا خاص حکم پولس یہودی کو کہ غیر قوموں کو انجیل سنائے۔ اس کی خدمت کی قیمت اُس کے دُکھ تھے۔

پولس رسول اپنے تجربے سے غیر قوم مسیحیوں کی حالت سے واقف تھا۔ اور

اس کو اُن کے ساتھ پُوری ہمدردی تھی۔ اُن کی خاطر سرگرمی سے کام کرنے کے باعث وہ اب قید میں تھا۔ اس کا یہ عرفان کہ یہ خوشخبری سارے آدمیوں کے لئے تھی براہِ راست خود مسیح سے حاصل ہُوا۔ دُنیا کے لئے یہ نیا اور خاص مکاشفہ تھا۔ یعنی یہ کہ نجات کے لئے خدا کے فضل کی دولت ہر قوم کے سارے لوگوں کے لئے مُفت اور یکساں ہے اور خدا نے پولس کو یہ اختیار دیا کہ وہ اس خوشخبری کا ایلچی بنے۔ گو وہ اپنے تئیں خدا کی ایسی مہربانی کے بالکل ناقابل سمجھتا ہے۔ خدا کا ازلی مقصد جو خدا کے دل میں پوشیدہ تھا اب مُنکشف ہونے لگا۔ اور خدا کا یہ منشا تھا کہ اُس کی کلیسیا کُل دُنیا کے آگے اُس کی حکمت کی گواہ ہو۔ جو اس کے بیٹے یسوع مسیح کے تکمیل شدہ کام میں ظاہر ہوئی۔ جس کے وسیلے سب لوگ باپ کے پاس بے روک ٹوک جا سکتے ہیں۔ اس لئے رسول کے دوستوں کو اس کے دُکھوں کے باعث ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ دُکھ تو اس کے جلال کا وسیلہ ہیں۔ اُس کے نمونہ سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے۔ کہ شخصی خدمت اور کارآمدگی بلا اعلیٰ خود مختاری کے ہو نہیں سکتی۔

۱ - اسی سبب سے۔ یعنی اس لئے کہ وہ غیر قوم مسیحیوں کی حالت سے بخوبی واقف اور آگاہ تھا کہ وہ بھی مسیح کی سلطنت میں ہمارے ساتھ شریک تھے۔

مسیح یسوع کا قیدی (دیکھو ۴-۱ فلیمون ۹ آیت۔ ۲ تمتھیس ۱-۸) ہر حالت میں پولس رسول کا تعلق مسیح سے تھا۔ وہ مسیح کا آزاد۔ مسیح کا غلام۔ اور مسیح کا قیدی تھا۔ اس کا بدن تو زنجیروں سے بندھا تھا لیکن اس کی رُوح بالکل آزاد تھی کہ جو چاہے سوچے۔ بولے اور کام کرے۔

تم غیر قوم والوں کی خاطر۔ دیکھو اعمال ۲۲ - ۲۱ ۔ یہ جملہ نا تمام ہے۔ یہ الفاظ "تم غیر قوم والوں" رسول کو ایک دوسرے مضمون کی طرف کھینچ لیجاتے ہیں اور جو خیال اُس نے شروع میں ظاہر کیا تھا ۱۴ آیت سے پہلے پھر شروع نہیں کیا جاتا یہ اُس کا خاص طرزِ تحریر ہے۔

۲۔ شاید تم نے سُنا ہو گا۔ اِن لفظوں سے ظاہر ہے کہ جن کو وہ یہ خط لکھ رہا ہے اُن کو اُس نے اب تک دیکھا نہ تھا۔

فضل کے انتظام کا حال۔ یعنی جو خود مختاری کا عہدہ پولس رسول کو ملا تھا (اگرنتھی ۴-۱ و ۲ و ۹ و ۱۷ + کلسیوں ۱-۲۵ + ۱ پطرس ۴-۱۰)

جو تمہارے لئے۔ دیکھو اعمال ۲۶-۱۶ سے ۱۸!

۳۔ آیت۔ وہ بھید۔ دیکھو ۱-۹ + ۳-۶ ۔

مکاشفہ سے۔ اعمال ۲۲-۱۷ سے ۲۱ + گلتیوں ۱-۱۵ + گلتیوں ۱-۲۴ سے ۲۹ + ۴-۳ و ۴ ۔

چنانچہ میں نے پہلے۔ غالباً یہاں اشارہ پہلے اور دوسرے بابوں کی طرف ہے جن میں غیر قوموں کے حقوق کا ذکر آیا ہے۔ یا شاید یہاں کلسیوں کے خط کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی دراصل عام خط کے طور پر لکھا گیا تھا اور اُس میں بھی اس باب کی طرح اِنہیں مضامین کا ذکر ہوا ہے۔

مسیح کا وہ بھید۔ دیکھو ۱-۹ + ۳-۶ + کلسیوں کی طرف کے خط میں وہ بڑا بھید خود مسیح ہے جو ایماندار کے دل میں سکونت کرتا ہے۔ الٰہی عنصر انسانی عنصر میں یعنی عمانوایل۔ لیکن کلسیوں ۴-۳ میں اور اس مقام میں "جو بھید"

پولس رسول پر منکشف ہوا وہ خدا کی یہ تجویز تھی کہ مسیح کی سلطنت کے حقوق اور برکتوں میں غیر قوموں کو پورا حصہ دے

۵ - مقدس رسولوں اور نبیوں پر .... یہ بڑا بھید پولس کے ہم خدمتوں پر بھی ظاہر ہوا تھا جنہوں نے اپنے آپ کو مسیح کی خدمت کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور جن کو روح القدس کا خاص عطیہ حاصل ہوا تھا۔ اعمال ۱-۲۵ + ۱۵-۳۲ گلتیوں ۲-۷ سے ۱۰ + افسیوں ۲-۲۰ -

۶ - میراث میں شریک - یعنی ہم وارث فضل کے عہد کی ساری برکتوں میں مساوی حصہ رکھنے والے (۲-۱۸) ہم خدا کی خلقت کی کُل اچھی اور خوبصورت اشیا اور تمام نعمتوں میں شریک ہیں۔

بدن میں شامل - یعنی ہم مسیح کے بدن کے اجزا ہیں۔ اس کی زندگی میں شریک اور اس کی کلیسیا کے جُزو -

وعدے میں داخل - یعنی مخلصی کے بڑے وعدے میں شریک جس کا ذکر یہودی بزرگوں اور نبیوں نے پہلے بعد دیگرے کیا تھا اور جو آخر کار مسیح میں تکمیل کو پہنچا - یہ ایک عجیب دریافت تھی کہ یہ وعدے کل نوع انسان کے لئے تھے اور کسی کا خاص امتیاز نہیں کیا گیا۔ دیکھو یسعیاہ ۳۵ و ۵۵ باب وغیرہ -

نوٹ - اس آیت میں ہمارے لئے یہ تعلیم ہے (۱) خدا کے فضل کے ذریعے سارے آدمی بلا امتیاز اس ذوالجلال میراث میں کسی وقت شریک ہونگے جس کا وعدہ خدا کی امت سے کیا گیا تھا۔ (۲) جس شرط پر یہ شراکت حاصل ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسیح میں اس کے بدن کے اعضا کے طور پر متحد ہو جائیں (۳) یہ اتحاد کسی رسم کے

ذریعہ حاصل نہیں ہوتا - نہ کسی مسیحی خاندان یا قوم میں پیدا ہونے کے ذریعہ بلکہ مسیح اور اُس کی انجیل پر زندہ ایمان رکھنے کے وسیلے - (۴) صرف مسیح ہی میں انسان اپنے امتیازات نسلی وغیرہ کو ترک کر سکتا ہے اور جو ایک دوسرے کے خلاف تعصبات ہیں ان سے کنارہ کر سکتا ہے اور ایک بڑی کیتھولک کلیسیا یا سوسائٹی بن سکتی ہے صرف مسیح ہی میں آدمی ایک دوسرے سے محبت کرنا سیکھ سکتے اور ایک دوسرے سے میل ملاپ کر سکتے ہیں۔ "اخوت انسانی" کا زبانی ذکر کرتے پھرنا تو آسان ہے لیکن اُسے ایک عملی شکل دینا کار مشکل ہے بلکہ انسانی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نا ممکن ہے - تو بھی یہ الٰہی تجویز ہے یہ وہ بڑا بھید اور راز ہے جو ان آخری دنوں میں منکشف ہوا تا کہ اسکی تکمیل مسیح میں ہو جو کیتھولک اخوت انسانی کی بنیاد ہے - یہ کیسا حیرت انگیز اور عالیشان تصور ہے - ہر مسیحی کو کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ ذوالجلال تصور یا مقصد پورا ہو - دیکھو ما بعد کی آیات -

۷ - مَیں خادم بنا - دیکھو رومیوں ۱-۱ و ۱۴ - پولس ذیل اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ انجیل (خوشخبری) کا خادم ہونے کے لئے میں مقرر ہوا - (۱) یہ خدا کی مہربانی سے ہوا (ب) خدا کی قدرت کے ذریعہ ہوا کہ اس نے میرے دل کو تبدیل کیا اور بلا کر اس خدمت کے قابل بنایا - کیا ہر ایک خادم دین اپنے شخصی تجربے میں اس کی تصدیق کر سکتا ہے؟ کوئی شخص اپنے تئیں دین کا خادم نہ سمجھے - جب تک روح القدس نے اس کو نہ بلایا ہو اور خدا کی قوت سے ملبّس نہ ہو گیا ہو - کیا ہم نے خود مسیح کے زخمی ہاتھوں سے تقرر حاصل کیا ہے؟

۸ - چھوٹے سے چھوٹا - یہ جملہ کسر نفسی کا جملہ نہیں بلکہ اس میں

رسولی کے زبردست احساس کا اظہار ہے جو اُسے اپنی ناقابلیت کے بارے میں تھا کہ میں
مقدسوں میں گِنا جاؤں۔ کیونکہ وہ مسیح کا ایک سخت دشمن رہ چکا تھا۔ وہ کُفر بکا کرتا
اور مقدسوں کو ایذا دیا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی سچ ہے کہ سچے مسیحی ہمیشہ بڑے
فروتن ہوتے ہیں اور اپنے گناہوں اور قصوروں کو بہت محسوس کیا کرتے ہیں
جن کو زیادہ روشنی ملی ہے وہ اپنے قصوروں کو زیادہ صفائی سے دیکھ سکتے
ہیں۔ دیکھو ۱کرنتھی ۱۵-۹ + ۱تیمتھیس ۱-۱۵ و ۱۶ - لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ
ایسی بڑی عزت اور ذمہ داری اُن لوگوں کو بخشتا ہے جو یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ نالائق اور مٹی کے برتن ہیں

مسیح کی بیقیاس دولت۔ سارے الٰہی فضل محبت۔ قدرت اور جلال
کی کامل بھرپوری اعلےٰ درجہ تک مسیح میں ظاہر ہوتی ہے جو کہ انسان کے لئے
ناممکن ہے۔ اُس کی اعلیٰ بے داغ زندگی۔ اس کی خوبصورت اور دلکش سیرت۔
اس کی اعلےٰ قدرت اس کی اپنی اُمت کے بچانے اور اُن کی حفاظت اور حمایت کرنے
میں۔ اُس کا اعلیٰ رتبہ کہ وہ ساری مخلوقات کا سردار ٹھیرا۔ یہ سب ہمارے
احاطۂ خیال سے باہر ہیں اُن کو ہم ٹھیک طور پر بیان بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارا
فرض ہے کہ بڑی سرگرمی اور شخصی محنت سے سارے آدمیوں کی توجہ اپنے
خداوند کی کاملیت کی طرف منعطف کریں ہر شاگرد کو چاہیئے کہ وہ سرگرم مبشر
بنے (رومیوں ۱۱-۳۳)

ہم صرف محض اخلاق ہی کی منادی نہ کریں۔ بلکہ اس بات کی کہ مسیح فضل اور
صداقت کا کامل اوتار ہے۔ ہماری بشارت کا خاص مضمون یہی ہونا چاہیئے۔

۹ - **سب پر روشن کروں**۔ نہ صرف خادمان دین کا یہ فرض ہے بلکہ سارے

مسیحیوں کا کہ جو روشنی ہمیں ملی ہے اُسے اُن لوگوں تک پہنچائیں جو اب تک تاریکی میں پڑے
ہیں بڑا راز بے قیاس دولت بیش قیمت خزانہ ہم پر منکشف ہوا ہے اور یہ ہمارا فرض
ہے کہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کریں۔ جو مشعل ہمارے ہاتھ میں رکھی گئی ہے
ہم اُس سے دوسروں کی مشعلوں کو بھی روشن کریں۔

ازل سے۔ دیکھو کلسیوں ۱-۲۶ + رومیوں ۱۶-۲۵ + ۱کرنتھی ۲-۷

کیا انتظام ہے۔ دیکھو ۱-۱۱ کا نوٹ۔

۱۰ - **کلیسیا کے وسیلے سے**۔ اُس بڑے الٰہی بھید اور اُس بڑے الٰہی
مقصد کو دُنیا پر منکشف کرنے کا وسیلہ کلیسیا ٹھیری۔ کیسی بڑی عزت۔ رتبہ اور
ذمہ داری کلیسیا کو اور سارے مسیحیوں کو عطا ہوئی ہے! مسیح نے فرمایا تھا۔ "تم
دنیا کے نور ہو"۔ لیکن افسوس کلیسیا نے اب تک اسے پورے طور سے محسوس نہیں
کیا اس لئے اس کے مقاصد اور ان کی تاثیر بھی بہت تنگ اور محدود رہی ہے۔

طرح طرح کی حکمت۔ دُنیا کی مخلصی کے سرانجام دینے کا جس میں کلیسیا کو
حصہ لینا ہے خدا کی حکمت کے مختلف پہلوؤں کو منکشف کرتا ہے (عبرانی ۱-۱ +
رومیوں ۱۱-۳۳)

اُن حکومت والوں۔۔۔ خدا کی جس بزرگ اور عالیشان حکمت کا ابھی ذکر ہوا۔
وہ اُن فرشتوں کے لئے غور طلب ہے جو خدا کے خادموں کا گروہ ہیں وہ اس دُنیا کے
کام میں گہری دلچسپی اور امتیاز رکھتے ہیں۔ خاصکر آدمیوں کی نجات کے کام میں (۱پطرس
۱-۱۲)۔ خدا کی یہ تجویز سب پر منکشف ہونی چاہیئے خواہ وہ یہودی ہوں یا غیر قوم۔
خواہ انسان ہوں خواہ فرشتے۔ اس خیال سے نادیدہ جہان کا گہرا رشتہ اس جہان سے

پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتوں کی خدمت نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے جس سے ہم شاید آگاہ بھی نہیں۔

۱۱۔ خدا کا یہ غیر محدود حکیمانہ مقصد جو سارے زمانوں سے چلا آیا ہے۔ وہ ہمارے خداوند یسوع میں اور اس کے وسیلے پورا ہوا۔

۱۲۔ **دلیری ہے۔** یہ آیت کیسی حوصلہ افزا ہے۔ اس سے خدا کے ارادے کی کشادہ دلی اور فیاضی کا اظہار ہوتا ہے جن لوگوں نے سچ مچ مسیح یسوع کو مان لیا۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا غیر قوم۔ اُن کو خدا کے پاس جانے کی بے روک ٹوک اجازت ہے۔ جیسے بچوں کو باپ کے پاس جانے کی ہوتی ہے اگر ہم مسیح میں ہیں تو ہم خدا کے پاس ویسے ہی نڈر ہو کر پورے بھروسے اور خوشی کے ساتھ جا سکتے ہیں۔ جیسے مسیح جایا کرتا تھا۔ اُس کی عنایت حاصل کرنے کے لئے کسی نذرانے یا رشوت کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی دوسرا درمیانی درکار ہے۔ بت پرست اور رومن کیتھولک یہاں ہی بڑی غلطی کرتے ہیں۔ یہ خیال کیسا تسلی بخش ہے کہ بے حد قدرت و حکمت و احسان والے خدا کے پاس ہم ہر وقت جا سکتے ہیں!

۱۳۔ **ہمت نہ ہارو۔** رسول کو خدا پر جو بھروسہ اور اس کی خدمت میں جو خوشی حاصل تھی۔ اُس سے قید میں اُسے کیسی ہمت حاصل ہوئی۔ اُس کو یہ وقوف ہے کہ وہ خدا کے ساتھ ہم خدمت ہے اور اُس کی حضوری اور مہربانی مستقل و مضبوط رہنے میں اُس کی بڑی مددگار ہیں۔ رسول کی بہادرانہ سیرت کے یہ عین مطابق ہے اور ماقبل آیات کے اعلیٰ خیالات کے یہ موافق ہے کہ وہ غیر قوموں کی خاطر اپنے دکھوں کو عزت کا باعث نہ کہ حوصلہ شکنی و بے عزتی کا باعث ظاہر کرے۔ جب کوئی مصیبت ہم پر نازل

ہوتی یا ہمیں کوئی تکلیف دی جاتی ہے۔ تو ہم بہت جلد پست ہمت ہو جاتے ہیں! لیکن ہم یاد رکھیں کہ اکثر اوقات یہ دکھ ہی فتح کا وسیلہ ٹھہرتے ہیں۔

تیسرا باب ۱۴ سے ۱۹

نو مسیحیوں کے لئے دعا کہ وہ صداقت کی پہچان کے وسیلے اور مسیح کے اُن کے دلوں میں بسنے کے ذریعہ مضبوط ہو جائیں۔

رسول نے بڑی سرگرمی سے یہ دعا کی کہ جو ایماندار اُس کا یہ خط پڑھیں اُن کو آسمانی باپ کی طرف سے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت عطا ہو۔ اُس کی یہ آرزو تھی کہ وہ روحانی قوت میں ترقی کریں اور دانائی میں بڑھیں تاکہ محبت میں زندگی بسر کرنے کے ذریعہ مسیح کی بے قیاس محبت کے بھید کو خود سمجھ سکیں اور اس کی معموری میں شریک ہوں

نوٹ۔ اس عجیب دعا پر غور کرو وہ کیا ہی پُر مطلب ہے!

۱۴ و ۱۵۔ **اسی سبب سے۔** اس باب کی پہلی آیت پر جو نوٹ تھا اُس کو دیکھو کیا ہمیں ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے کی عادت ہے؟ کیا ہم نے یہ سیکھ لیا ہے کہ سفارش کے اس کا بیش انعام کو کیسے استعمال کریں؟

اُس باپ۔ (یونانی میں پاتیر) جس سے ہر ایک خاندان (یونانی میں پتریا ہے)۔ **نامزد ہے۔** (دیکھو حاشیہ) اس جملے کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک خاندان کا نام پیو کے (پتریا) عالمگیر باپ (پاتیر) سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ خاندانی رشتے سے مراد ہے وہ پیو کے کے تصور میں داخل ہے۔ خواہ وہ آسمان میں ہو۔ خواہ زمین میں۔ اس کے معنے کی ساری خوبی باپ کی پدریت سے صادر ہے

پس نوعِ انسان ایک خاندان ہے جس کے سارے ممبر کا ایک دوسرے کیساتھ گہرا رشتہ ایک باپ کے وسیلے سے ہے۔ جیسے بچوں کی ذات اور اُن کا نام باپ سے حاصل ہوتا ہے ویسے ہی خدا کا کُل خاندان جس کے ہم سب ممبر ہیں اُسی سے اپنا نام حاصل کرتا ہے اور ہم اُسی کے بچے مانے اور سمجھے جاتے ہیں اسی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ دیگر مذاہب میں اس تصور کا بہت کم ذکر آیا ہے۔

سوال۔ اگر خدا باپ ہے۔ تو کیا اس کے بچوں میں الٰہی ذات اور سیرت نہ ہوگی۔

۱۶۔ **اپنے جلال کی دولت**۔ خدا کے فضل اور قدرت کی بھرپوری جو وہ اپنے بچوں کو عطا کرنے پر تیار ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ساری برکت اور خوشحالی کا سرچشمہ ٹھہرتا ہے (جیسے سورج زمین کے سارے جانداروں کے لئے روشنی۔ گرمی اور خوشی کا سرچشمہ ہے) دیکھو ا۔۱۸۔

باطنی انسانیت میں۔ اس میں انسان کی اعلیٰ ذات کی طرف اشارہ ہے یعنی اس اخلاقی اور رُوحانی ذات کی طرف جو الٰہی ذات سے علاقہ رکھتی ہے روح القدس اس اعلیٰ ذات پر تصرف کرلیتا ہے اور اس کو خدا کی مرضی کے مطابق بنا لیتا ہے عقل ضمیر اور فعل مختاری اس باطنی انسانیت کے قوائے ہیں۔ اور ان قوا کو روح القدس نیا جنم اور نئی شکل دیتا ہے۔ تاکہ وہ بیرونی انسانیت کو قابو میں رکھ سکے۔ یعنی حیوانی۔ ادنیٰ اور جسمانی ذات کو (رومیوں ۷۔۲۲ + ۲ کرنتھی ۴۔۱۶) یہ باطنی انسانیت انسان کا قدس الاقدس ہے۔ یعنی اُس کی ساری ہستی کا مرکز جہاں آدمی کی روح خدا کے ساتھ ملاقات کرسکتی اور شراکت رکھ سکتی ہے۔ اور جہاں اُسے الٰہی جلال کا کرشمہ نظر آسکتا اور الٰہی آواز سنائی دے سکتی ہے (جیسے ہیکل کے شکینہ میں تھا)۔

بہت ہی زور آور۔ دیکھو فلپیوں ۴۔۱۳۔ ہمیں روح کی صحت و قوت درکار ہے اکثر ہم اپنی کمزوری کو محسوس کرتے ہیں اور اپنی سُستی اور ڈھیلے پن سے واقف ہوتے ہیں۔ خاصکر ہماری قوتِ ارادی کمزور ہوتی ہے اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے اس پر عمل کرنے کی قوت معدوم نظر آتی ہے۔ صرف روح القدس کی بھرپوری کے ذریعہ ہم زور آور ہو سکتے ہیں تاکہ اس کی مرضی کے مطابق چاہیں بھی اور کام بھی کریں۔ دُکھ اُٹھانے کی طاقت رکھیں اور بدی کو محسوس کریں اور اس جنگ میں بہادر بنیں اور خدا کے خاندان میں اپنے درجے کو قائم رکھ سکیں اور اپنی اعلیٰ بلاہٹ کے لائق چال چل سکیں۔ (۱ کرنتھی ۱۶۔۱۳) روح القدس کے بغیر ہم اُن انجنوں کی طرح ہیں جن میں آگ نہیں جس کے ذریعہ بھاپ پیدا ہوتی ہے۔ اخلاقی ہمت۔ روحانی قوت اور طاقت مردانگی کی اعلیٰ صفات ہیں۔ کیا ہمیں یہ طاقت و توانائی حاصل ہے؟ ہم کیسے ان کو حاصل کرسکتے ہیں؟

۱۷۔ اس آیت میں یہ تعلیم ہے (۱) مسیح اپنے لوگوں میں بستا ہے (۲) وہ نہ محض اُن کی زبان یا دماغ میں بستا ہے بلکہ اُن کے دلوں میں (۳) وہ اُن کے گہرے جذبات اور نیتوں کو چھوتا ہے اور اُن کی زندگی کے اعلیٰ مرکز پر حکمران ہے (۴) وہ ایمان کے وسیلے اُن میں بستا ہے اور یہ ایمان اس کو اپنا بنا لیتا ہے۔ مضبوط اور برکت **شخصی ایمان** جس سے رُوحانی پہچان۔ مقبولیت۔ دوستی اور گہری شراکت مراد ہے (سنگت و رفاقت) حتیٰ کہ مسیح اُن کی زندگی کی عین جان ہوجاتا ہے (دیکھو یوحنا ۶۔۴۷ سے ۵۹ + ۱۴۔۲۳ + رومیوں ۸۔۹ و ۱۰۔ گلتیوں ۲۔۲۰ + فلپیوں ۴۔۱۳ + ۱ پطرس ۳۔۱۵) (۵) وہ رُوح القدس کے ذریعہ اُن میں بستا ہے جو روح

مسیح میں بستا تھا۔ وہی مسیحیوں میں اُن کی زندگی کے چشمے اور قوت کے طور پر بستا ہے۔

سوال۔ کیا مسیح ہم میں جو اس کے شاگرد ہیں مجسم ہو گیا ہے۔

جڑ پکڑ کے۔ جہاں ایمان مضبوط ہوتا ہے وہاں زندگی نے اچھی جڑ پکڑ لی ہے اور وہ محبت میں قائم ہو گئی ہے۔ محبت لازمی اور اصلی اور بنیادی امر ہے حقیقی ایمان مضبوط جڑ والے درخت اور پختہ بنیاد والی عمارت کی طرح ہے اور اس کی پرورش غذا وغیرہ محبت سے حاصل ہوتی ہے جو اس کے دل میں بھری ہے (کلسیوں ۲-۷ اکرنتھی ۳-۹) یہ گہری اور پوری محبت جو اُس کے دل میں ہے اُس الٰہی محبت کا نتیجہ ہے جو مسیح میں منکشف ہوئی۔

۱۸۔ مسیح کی محبت تو فی الحقیقت غیر محدود ہے ہم بذریعہ تجربہ ہی اُس کو جان اور پہچان سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کامل طور سے نہیں اور اُس کے سمجھنے کے لئے ہمیں چاہیئے کہ مضبوطی سے اُسے گرفت کریں۔ یوں ہم جان سکینگے کہ یہ کیسی عجیب کیسی مہربان۔ کیسی تسلی بخش۔ کیسی وسیع اور کیسی پائیدار ہے جتنا زیادہ ہم کو مسیح کا علم حاصل ہوگا۔ اتنا زیادہ ہم اُس کی محبت اور ایثار نفسی کو معلوم کر سکینگے۔ کیا ہم مسیح کی محبت کے طول و عرض کا ادراک کر سکتے ہیں؟ (۱) یہ کیسی وسیع ہے؟ یہ تو دنیا سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ ہر درجے اور ہر حالت کے آدمیوں پر یہ حاوی ہے اس میں نہ نسل کا لحاظ ہے نہ عقیدے اور ذات کا امتیاز ہے (۲) یہ کیسی طویل ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ بڑی برداشت کرنے والی بڑی صابر۔ انتھک اور ابد تک رہنے والی ہے (۳) یہ کیسی بلند ہے؟ یہ تو آسمانوں تک بلند ہے بلکہ اس کا چشمہ آسمان میں ہے بلکہ خود خدا میں۔ جو دریا بہت دور تک بہتے اور برکتیں عطا کرتے

ہیں۔ وہ دریا ہیں جو سب سے اونچے پہاڑوں سے نکلتے ہیں (۴) یہ کیسی گہری ہے؟ یہ تو سمندر سے بھی زیادہ گہری ہے وہ آسمان سے زمین پر نازل ہوئی ہے اور آدمی کی اہم سے اہم ضرورت کو بھی پوری کرتی ہے یہ اپنے تئیں ایسا پست کرتی ہے کہ آزمائش دُکھ۔ غم و شرم کی برداشت کرتی ہے۔ وہ اپنے تئیں اتنا نیچا کرتی ہے کہ کمینے سے کمینے اور بد سے بد شخص کو بھی اپنی بغل میں لے اور اُن کو پستی کے گڑھے سے نکال کر سرفراز کرتی ہے۔ وہ سب کی خادم بننے پر رضامند ہے اور سب کے لئے اپنے تئیں قربان کرنے کو تیار ہے بلکہ ان کے لئے بھی جو اس کے دشمن ہیں۔ واہ کیسی محبت ہے! کیسی حیرت انگیز کیسی لاثانی اور کُل انسانی محبت سے اعلےٰ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہماری محبت کیسی تنگ اور محدود ہے کیا ہم خوشی سے مسیح کی محبت کو قبول نہ کریں جو ایسی عجیب و غریب ہے اور کیا ہم کوشش نہ کریں کہ ایک دوسرے کو ویسا ہی پیار کریں۔ جیسے ہمارے خداوند نے ہم کو پیار کیا ہے (یوحنا ۱۵-۱۲)۔ ہم یاد رکھیں کہ محبت ہی سے محبت ہے۔ کیونکہ ایک محبت بھرے دل سے دوسروں کے دلوں میں محبت کی آگ بھڑکتی ہے۔

۱۹۔ **جو جاننے سے باہر ہے۔** وہ محبت تو سمندر کی طرح ہے۔ ہم اپنے برتن اس سے بھر سکتے ہیں چاہیئے کہ ہم خدا سے دعا مانگیں کہ ہمارے اندر اس کی گنجائش زیادہ زیادہ ہوتی جائے۔ جتنی زیادہ ہم کو مسیح کی پہچان ہوگی۔ اتنا ہی زیادہ ہم اُس کو پیار کریں گے اور جتنا زیادہ ہم اس کو پیار کریں گے اتنی زیادہ اس کی پہچان ہم کو حاصل ہوگی۔ اور اتنا ہی زیادہ ہم اس کے رُوح سے معمور ہوتے جائینگے۔

تاکہ تم خدا کی ساری معموری تک معمور ہو جاؤ۔ یہ کیا قابل غور اور عالیشان تصور ہے۔ واقعی یہ راز اسرار ہے ہم نے اپنے تجربے میں کہاں تک اس کو معلوم کیا؟ عام معنی یہ

ہیں کہ انسان کا کمال اس پر مشتمل ہے کہ وہ خدا سے بھرپور ہو۔ یعنی خدا کی معموری میں یہاں تک معمور ہو کہ اُن ساری اخلاقی اور رُوحانی خوبیوں سے بھرے جاکر جو خدا اپنے بچوں کو دینا چاہتا ہے وہ فی الحقیقت الہٰی ذات میں شریک ہوجائیں۔ ہمارے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت و تصور ہوسکتا تھا؟ نجات یا مکتی کا یہ آخری مرتبہ و درجہ ہے تو بھی کتنے تھوڑے لوگ اس کی فکر و پروا کرتے اور اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ پولس نے اس خیال کا ذکر بار بار کیا (افسیوں ۱-۲۳+۴-۱۳۔ کلسیوں ۲-۹ و ۱۰- متی ۵-۴۸- یوحنا ۱-۱۶- رومیوں ۸-۲۰+۱۵-۱۳و۱۴+۱کرنتھی ۱۳-۱۲)

نوٹ ۱۔ مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بھرے جانے سے پیشتر ہمیں خالی ہونا ضرور ہے۔

نوٹ ۲۔ یہ قابل غور ہے کہ خدا کی معموری میں باپ۔ بیٹے اور روح القدس کی معموری داخل ہے۔

نوٹ ۳۔ یہاں ۳-۱۴ سے ۱۹ میں جو دعا ہے اُس کی چار درخواستوں کا رسول کی اُن چار درخواستوں سے مقابلہ کرو۔ جو ۱-۱۷ سے ۲۱ میں پائی جاتی ہیں۔ کیسے اور کب یہ چار درخواستیں میرے دل اور میری زندگی میں پُوری ہو سکتی ہیں؟ ہم اپنے اور اپنے بھائیوں کے لئے کونسی برکتیں سب سے بڑھ کر چاہتے ہیں؟

۳ باب۔ ۲۰ و ۲۱ آیات۔ تمجید

رسول کے خیالات اشتیاق و وجد کی ایسی بلندی اور چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں جو احاطۂ ایمان۔ اُمید ۔ بلکہ قیاس سے بھی پرے ہے اُس نے اعلیٰ چیزوں کے لئے دُعا کی تھی۔ لیکن اُن کی آئندہ تکمیل ان سے بھی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ وہ خدا کی

غیر محدود طاقت کی تعریف و تمجید کرنے لگ جاتا ہے اور وہاں ٹھیرا رہتا ہے یہ عالیشان تمجید اس خط کے پہلے حصہ کا مناسب تتمہ ہے۔

جو ہم میں تاثیر کرتی ہے۔ خدا کی غیر محدود طاقت ہر مسیحی میں ظاہر ہو رہی ہے جو اسے حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے تاکہ خدا کا جلال کلیسیا میں ظاہر ہو جیسا کہ وہ اس کے بیٹے یسوع مسیح میں ظاہر ہوا۔ خدا تو ہمارے خیال اور مانگنے سے زیادہ ہمارے لئے کرنے کو تیار ہے لیکن افسوس کہ میرا ایمان بہت کمزور ہے اور اپنی خودی سے خالی ہونے کیلئے میں مطلقاً رضامند نہیں اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا کی قدرت میرے اندر اور میرے وسیلے کام کرے۔ ہمارے خیال کیسے تنگ اور ہماری دعائیں کیسی محدود ہیں۔ (یسعیاہ ۵۵-۸ و ۹) ہم میں سے اکثر مسیحی کیوں ایسے کمزور اور دنیا میں ایسے بے تاثیر ہیں۔ کیوں نمک کی طرح پُرمزہ اور نور کی طرح تاریکی پر غالب آنیوالے نہیں؟

نوٹ ۱۔ مسیحی کلیسیا ایک بڑے نظام کی صورت میں دُنیا میں قائم ہوگئی ہے لیکن بے ناموس و نشاری کی محبت اس سے بہت کم ظاہر ہوتی ہے نہ وہ حقیقی برادرانہ یگانگت دکھائی دیتی ہے جو آدمیوں کے دلوں کو کھینچنے کی طاقت رکھتی ہو۔ اور اس کے دعاوی کی صداقت کا قائل کرسکتی ہو اس امر کی ضرورت ہے کہ مسیحی حقیقی مسیحی ہوں۔ جن کی زندگی اور چلن ان کے اقرار کے مطابق ہو۔ مسیحی دین کا سب سے بڑا زبردست ثبوت حقیقی مسیحی ہے۔

نوٹ ۲۔ مسیحی کلیسیا جو کیتھولک یا عالمگیر برادری ہے جس میں ہر قوم و ملت کے لوگ شامل ہیں۔ اب تک کامیاب نہیں ہوئی۔ نہ اس نے اپنے مشنری کلیسیا کے فرض کو پورا کیا ہے۔ اس امر پر زور دینا چاہیئے کہ ہر مسیحی اپنے دل اور مقصد میں ایک مشنری ہے۔ جو مسیحی جماعت اس رُوح سے خالی ہے وہ قریب المرگ یا مُردہ ہے۔

نوٹ نمبر۳۔ جونہی قوم کلیسیا میں شامل ہوتی ہے نہ صرف وہ مسیحی دین کی برکتوں میں شریک ہوتی ہے بلکہ جو اس کی خوبیاں ہیں وہ کلیسیا کو ملتی ہیں۔ جس سے مسیحیت کی خوبصورتی اور طاقت کی ترقی ہوتی ہے اور ایسی رُوح آ کر ان مسیحی کلیسیاؤں کی مُردہ ہڈیوں میں جان پھونکتی ہے جو یہ بھول گئی ہیں کہ وہ قوموں کو بلانے کیلئے قائم ہوئی تھیں۔ تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہوں اور ایک بڑی فوج تیار ہو جائے۔ ایسی فوج جس کے جھنڈے فتح کے لئے لہرا رہے ہوں۔

باب چہارم ۱ سے ۱۶۔ مسیحی چال چلن اور یگانگی

یہاں سے اس خط کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں عملی نصیحتیں پائی جاتی ہیں۔ رسول کی درخواست ناظرین سے یہ ہے کہ دُنیا کے سامنے ایسا چال چلن ظاہر کریں جو مسیح کے نام کے مطابق ہو۔ خاصکر صلح و یگانگی کی رُوح ظاہر کرنے کی کوشش کریں کیونکہ ان کے دین کی بنیاد ہی یگانگی ہے۔ کیونکہ اس واحد غایت مقصد اور چشمہ واحد خدا اور باپ سے صادر ہے۔ یہ یگانگت مختلف فرائض کے ذریعہ منکشف ہوتی ہے۔ کیونکہ یسوع مسیح اپنی کلیسیا کے مختلف عضوؤں کے ذریعہ یہ تاثیر کرتا جاتا ہے۔ اس کلیسیا کے شرکا کی مختلف قابلیتیں اور مختلف کام ہیں۔ لیکن ہر ایک اس کی کامل یگانگی کے لئے عمل کر رہا ہے۔ محبت اور خدمت میں ایک دوسرے کے ساتھ یہ زندہ شراکت جس کا سر مسیح ہے۔ کلیسیا کا مشن اور غایت ہے۔

۱۔ **خداوند میں قیدی ہوں**۔ دیکھو ۳-۱۔ دوسرے قیدیوں سے اس قیدی کی حالت کیسے متفرق تھی۔ وہ مسیح کے لئے قید ہونے پر فخر کرتا تھا۔ بادشاہوں کا جو فخر

اپنے تاج پر ہوتا ہے اس سے بڑھ کر رسول کا فخر اپنی زنجیروں پر تھا۔ فی الحقیقت پابہ زنجیر پولس زیادہ شاندار اور خوشحال تھا بہ نسبت نیرو قیصر کے۔

اُس کے مناسب چلو۔ مسیحیوں کا چال چلن چند خاص اور اہم باتوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً یگانگی۔ فروتنی۔ حلم۔ برادرانہ الفت۔ مسیح کی مانند ہونا۔ سچا مسیحی (۱) نئی زندگی میں چلتا ہے (۴-۲۲ سے ۲۴)۔ (۲) محبت میں (۴-۲ + ۵-۲)۔ (۳) نور میں (۵-۸-۱۷-۱۸ + ۵-۱۰ و ۱۱)۔ (۴) بڑے احتیاط سے اور سوچ سمجھ کے (۵-۱۵ سے ۱۷) چیلے کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اپنے گورو کے نقش قدم پر چلے۔

۲۔ اس آیت میں چار صفتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو ضروری ہیں اور جو ان سب میں ہونی چاہئیں۔ جو خدا کے فرزند ہونے کے لئے بلائے گئے ہیں (۱) **فروتنی**۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے کاموں کا ادنیٰ اندازہ لگائے۔ اور اپنی کمزوری اور نقصوں سے پورا واقف رہے اور جو کامل معیار اس کے سامنے رکھا گیا ہے اس سے اپنا اندازہ لگائے۔ اس میں یہ مزاج بھی داخل ہے کہ آدمی اپنے تئیں چھوٹا سمجھے۔ اور جب لوگ اس کی پروا نہ کریں اور نہ عزت کریں اور نہ تعریف۔ تو صبر سے کام لے۔ یہ خود بینی کی ضد ہے اور اپنے تئیں بڑا ظاہر کرنے اور اپنی بڑائی تلاش کرنے کے برعکس ہے اُسے چاہئے کہ اپنی عزت پر دوسرے کی عزت کو ترجیح دے۔

(۲) **حلم**۔ اس سے مُراد نرمی۔ شرافت اور دوسروں سے میل جول میں تواضع ہے۔ (متی ۱۱-۲۹ + ۲ کرنتھی ۱۰-۱) اس میں یہ مزاج داخل ہے کہ کوئی گڑگڑاہٹ نہ ہو تاکہ ہم دوسروں کے قصوروں کی برداشت بلا غصہ کر سکیں اور جب ہماری ایک گال پہ کوئی طمانچہ مارے تو دوسری گال اس کے آگے کر دیں۔ (۳) **تحمل**۔ اس سے مراد صبر

کی عادت ہے کہ جب کوئی دُکھ و مصیبت آپڑے تو اس کو صبر سے سہہ لیں اور جب کوئی ہم پر ناحق ظلم کرے اور ہمیں غصہ آئے تو ہم غصہ کو پی جائیں۔ دیکھو کلسیوں ۳-۱۲-۱۳ کرنتھی ۶-۷ - گلتیوں ۵-۲۲ - (۴) **برداشت** کہ ہم اپنے تئیں قابو رکھیں اور دوسروں کی برداشت کریں۔ اور یہ پہلی تین خوبیوں کا نتیجہ ہے۔ اس میں مستقل مزاجی اور محبتانہ مزاج داخل ہے۔

نوٹ۔ یہ چار صفات شاذ و نادر ہی ملتی ہیں اور دُنیا ان کی قدر نہیں کرتی۔ یہ خاص خود مسیح کی اور سچے مسیحی کی صفات ہیں۔ دیکھو کلسیوں ۳-۱۲ سے ۱۴۔ کلیسیا کی ہستی اور رسوخ کے لئے یہ لازمی ہیں اور پہاڑی وعظ میں خداوند یسوع نے ان پر بڑا زور دیا۔ یہ اعلیٰ شریف لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور حقیقی عظمت کا نشان ہیں درحقیقت فروتنی کا رستہ سرافرازی کا رستہ ہے۔ مسیح نے فرمایا۔ "مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم اور دل کا فروتن ہوں"۔ اس نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ "مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہونگے" (دیکھو یوحنا ۱۳-۱۲ سے ۱۷) لیکن افسوس! ان دنوں میں یہ صفات اکثر نظر انداز کی جاتی ہیں۔

(۳) **رُوح کی یگانگی**۔ یعنی وہ یگانگی جس کا بانی رُوح القدس ہے وہ سب سے بڑا صلح کرنے والا ہے یہ وہ جائداد ہے جس کو سب سے بڑی غنیمت سمجھنا چاہیئے اور جس کی حفاظت مسیحیوں کو بہت کرنی چاہیئے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ یہ یگانگی مسیحیوں میں بہت کم پائی جاتی ہے اور اسی وجہ سے کلیسیا دُنیا میں ایسی کمزور اور بے تاثیر ہے (یوحنا ۱۷-۱۱ سے ۱۳)

صلح کے بند سے۔ رُوحانی یگانگی اس ہمرنگ شراکت میں ظاہر ہونی چاہیئے جو مختلف قسم کے لوگوں کو باہم وابستہ کردے اور لوگ اپنے تفرقات کو بھول

جائیں۔ صلح میں طاقت ہے اور یگانگی میں قوت ہے۔ "مبارک ہیں وہ جو صلح کرنے والے ہیں (دیکھو رومیوں ۱۲-۱۸)

۴۔ رسول نے مسیح کی کلیسیا کی یگانگی کی حقیقت اور بنیاد کو ظاہر کیا ہے یہ یگانگی اس خاص وجہ سے ہے کیونکہ بدن ایک ہے ایک رُوح ہے اور ایک امید ہے ایک خداوند ہے اور ایک ایمان ہے اور سبھوں کا ایک ہی خدا ہے۔

ایک ہی بدن۔ دیکھو ۱-۲۳ - رومیوں ۱۲-۵ - ۱ کرنتھی ۱۰-۱۷ + ۱۲-۲۷- ہم ایک دوسرے کے عضو یا انگ ہیں۔ اس لئے ہمیں ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا چاہیئے اور ایک دوسرے سے مل کر کام کرنا چاہیئے۔

نوٹ۔ کلیسیا کی یگانگی کا حصر ظاہری تنظیمات یا ظاہری رسوم پر نہیں بلکہ مشترک باطنی زندگی پر۔ دیکھو۔ فلپیوں ۱-۲۷-

ایک ہی رُوح۔ اس بدن کی جان رُوح القدس ہے جو مسیح سر سے سارے اعضا کو حاصل ہوتا ہے (۱ کرنتھی ۱۲-۱۳ + ۳-۱۶ + ۶-۱۹) رومیوں ۸-۹ و ۱۱)

ایک ہی اُمید۔ دیکھو ۱-۱۴ + ۱ کرنتھی ۱-۲۲ + رومیوں ۸-۱۶ + کلسیوں ۱-۵ + عبرانی ۶-۱۸ و ۱۹۔ ہر مسیحی کو چاہیئے کہ اس بلاہٹ کی وجہ سے پُر از امید ہو (کلسیوں ۱-۲۷ + ۱ تھسلنیکیوں ۱-۱ + ۱ یوحنا ۳-۳) خدا کے وعدوں کی طرح یہ مستقبل بہت درخشاں ہے۔

۵ - ایک ہی خداوند۔ مسیح ہمارا جائز سلطان اور ہمارا آقا ہے اور اس کے سوا ہمارا کوئی دوسرا آقا نہیں۔ جو کچھ ہم ہیں اور جو کچھ ہمارا ہے وہ سب اسی کا ہے کیونکہ ہم اپنے نہیں ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے بدن اور رُوح سے اس کا جلال ظاہر کریں۔ ہم

فی الحقیقت اُس کے غلام ہیں کیونکہ اپنی محبت سے اُس نے ہم کو خرید لیا ہے اور ہم کو فتح کر لیا ہے (اکرنتھی ۶-۲۰ + اپطرس ۱-۱۸ + رومیوں ۶-۱۴) اور اسی میں ہماری آزادی ہے (استثنا ۱۵-۱۶ و ۱۷) سارے مسیحیوں میں اطاعت کی واحد روح ہونی مناسب ہے تاکہ اس واحد خداوند کا حکم مانیں۔ چونکہ ایک بدن ہے اس لئے سر بھی ایک ہی ہونا چاہئیے۔

نوٹ - ہم خداوند مسیح کے غلام ہیں۔ لیکن وہ ہمیں دوست کہتا ہے (یوحنا ۱۵-۱۵) بلکہ وہ ہمیں بھائی بہن کہتا ہے (متی ۱۲-۴۹ و ۵۰) وہ جو کبھی غلام تھا۔ اب اُس گھر میں بیٹا بن جاتا ہے۔

ایک ہی ایمان - ایمان کی اصولی باتوں کے بارے میں سارے مسیحیوں کا اتفاق ہے اور سب اس عقیدے میں شریک ہو سکتے ہیں جو رسولوں کا عقیدہ کہلاتا ہے

ایک ہی بپتسمہ - اس رسم سے سارے ایماندار مسیح کے عہد اور کلیسیا میں داخل ہوتے ہیں اور سب جگہ اس کے معنے و غرض ایک ہی ہے اور اس وسیع دنیا میں سب کو ایک رشتہ میں باندھ دیتا ہے اور ایک ہی برادری بنا دیتا ہے (گلتیوں ۳-۲۶ سے ۲۸)

۴ - یہ کلیسیا ایک روح سے معمور ہے جس کا حاکم ایک ہی خداوند ہے۔ اور ایک باپ خدا تعالےٰ کی پرستش کرتی ہے۔ جو سب کے اوپر ہے اور سب میں ساری ہے وہ اپنی کردگاری طاقت سے سب میں سرایت کر رہا ہے اور وہ سب میں ویسا ہی بستا ہے۔ جیسا کہ وہ یروسلم کی ہیکل میں بستا ہو۔ (۲ کرنتھی ۶-۱۶ + مکاشفہ ۲۱-۳) ان دنوں میں بُت پرست لوگوں کے لئے یہ کیسی عجیب تعلیم ہے خدا ایک ہے اور سارے

آدمی ایک ہیں اور خدا اور انسان کے درمیان درمیانی بھی ایک ہی ہے۔

۷ - ہر بدن میں مختلف حصے ہوا کرتے ہیں اور یہ کل بدن کی یگانگی کے لئے ضرور ہے ہر حصہ کا الگ الگ عہدہ اور کام ہے اور ہر ایک کا درجہ آدمی نے خود نہیں ٹھہرایا بلکہ خدا نے مسیح کے وسیلے جو سر ہے (رومیوں ۱۲-۴ سے ۶ + اکرنتھی ۱۲-۴ سے ۱۱) اس لئے ہم میں سے ہر ایک کو یہ دریافت کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ خدا نے میرے لئے کیا کام ٹھیرا لیا ہے اور ہر شخص اس درجہ پر قناعت کرے جو خدا نے اس کے لئے تجویز کیا ہے اور اُن سے حسد نہ کرے جو اس کے اوپر ہیں اور نہ اُن کو حقیر جانے جو اُس سے نیچے ہیں باہمی انحصار کا یہ اصل اصول ہے جس پر کل سوسائٹی کا دار و مدار ہے یوں ہماری حالت زیادہ خوشحال ہے اور ہم بہتر خدمت کے قابل ہیں اور بہتر ترقی کر سکتے ہیں۔ ہر ایک کے پاس ایک خاص توڑا یا قابلیت ہے اور جو اپنی ادنیٰ جگہ میں بھی وفاداری سے کام کرتے ہیں اُن کو اعلےٰ خدمت کی سرفرازی حاصل ہو گی۔

نوٹ - (۱) اکثر ہمارے چھوٹے چھوٹے تکراروں سے کلیسیائی یگانگی کو نقصان پہنچتا ہے (۲) مرد بھی اور عورتیں بھی کلیسیائی کاروبار میں حصہ لیں۔

۸ - رسول نے زبور ۶۸-۱۸ کے اقتباس سے اس امر کی تشریح کی ہے۔ کہ مسیح کلیسیا کے لئے کیا ہے اگرچہ اس نے لفظی اقتباس نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے مطلب کے مطابق اس کا بیان کر دیا ہے۔ مسیح کا یہ بیان ہے کہ وہ زمین پر اترا اور جیسے میدان جنگ میں لڑائی ہوتی ہے ویسے اس نے جنگ کی۔ وہ عالم ارواح سے گذر گیا اور پھر آسمان پر چلا گیا اس طرح کہ جیسے کوئی فتحیاب سپہ سالار اپنے دشمنوں کو اسیر کر کے لیجاتا ہے اور جس کے ہاتھ غنیمت کے مال سے بھرے ہیں اور اُس غنیمت کے مال

کو وہ اپنے پیروؤں کے درمیان تقسیم کرتا ہے یہ تو تشبیہی بیان ہے۔ لیکن فی الحقیقت
ہمارے خداوند مسیح نے اُن دشمنوں کو مغلوب کیا جنہوں نے ہم کو اسیر کر رکھا تھا اور ہمارے
حقوق کو چھین لیا تھا۔ اس نے شیطان اور اس کے لشکروں پر فتح حاصل کی ہے اور
اُس نے گناہ اور موت کو جیت لیا اور ہم کو اُن کے پنجہ سے چھڑا لیا اور جو برکتیں ہم
سے چھینی گئی تھیں وہ دوبارہ عنایت کیں (لوقا ۱۱-۲۱ و ۲۲ عبرانی ۲-۱۵ + کلسیوں
۲-۱۵ + رومیوں ۸-۳۱ و ۳۹)

۹- زمین کے نیچے کے علاقے میں۔ غالباً اس کے یہ معنے ہونگے۔ قبر یا
عالم ارواح۔ یا شاید اس کے معنے صرف زیرین زمین کے ہوں جو بمقابلہ اعلیٰ آسمانوں کے ہے
(یوحنا ۳-۱۳ + ۶-۳۸ - ۱۶ + ۲۸ - ۲۸ + اعمال ۲-۱۹)

اُترا ہے۔ اس سے مسیح کا تجسم۔ اس کا پست ہونا۔ اس کا اپنے تئیں اپنے آسمانی
جلال سے خالی کرنا مراد ہے۔ کیونکہ اس کا دُنیا میں آنا ان سب باتوں پر مشتمل تھا
(فلپیوں ۲-۷ سے ۱۱)

۱۰- سارے آسمانوں سے بھی اُوپر۔ اس سے اُس کی اعلیٰ سرافرازی کی طرف
اشارہ ہے یعنی ساری خلقت سے اعلیٰ ہونا (۲ کرنتھی ۱۲-۲ + عبرانی ۴-۱۴ -
زبور ۱۴۸-۴) مسیح نے جو اپنی مرضی سے اس پستی کو قبول کیا تھا۔ اب یہ اس کا اجر
تھا۔ اگر ہم بھی سرافراز ہونا چاہتے ہیں تو پہلے فروتن بنیں۔

تاکہ سب چیزوں کو معمور کرے۔ جس اعلیٰ درجہ پر مسیح سرافراز کیا گیا۔
اُس کی غرض اور غایت یہی تھی۔ دیکھو نوٹ ۱-۲۲ و ۲۳ پر۔ نیز دیکھو متی ۲۸-
۱۸ + فلپیوں ۲-۹ و ۱۰۔

۱۱- مسیح نے جو انعام فضیلتیں یا استعدادیں کلیسیا کو عنایت کیں اب ان کا ذکر آتا ہے۔

رسول۔ مسیح کے ایلچی۔ جو اس کی تعلیم معجزوں اور اس کی قیامت کے عینی گواہ تھے۔
(اعمال ۱-۸ + ۱-۲۱ و ۲۲ + ۱ کرنتھی ۹-۱)

نبی۔ وہ مناد جو خدا کے خاص الہام سے کلام کرتے تھے (اعمال ۱۵-۳۲ + ۱
کرنتھی ۱۴-۱ سے ۴۰)

مبشر۔ یعنی وہ لوگ جو ایسی جگہوں میں انجیل سنانے کیلئے بھیجے گئے جہاں وہ پہلے نہ
سنائی گئی تھی۔ جیسے آجکل کے مشنری (اعمال ۲۱-۸ + افسیوں ۴-۱۱ + ۲ تیمتھیس ۴-۵)

چرواہا۔ جن کو آجکل پاسٹر کہتے ہیں جن کا یہ کام تھا۔ کہ جو جماعتیں ان کے سپرد ہوں
ان کی ہدایت نگرانی اور نگہبانی کریں۔ جیسے چرواہا اپنے گلے کے لئے کرتا ہے (یوحنا ۲۱-
۱۶ و ۱۷ + ۱ پطرس ۲-۲۵ + ۵-۲)

استاد۔ یعنی جو کتاب مقدس کی تعلیم دینے کی لیاقت رکھتے تھے۔

۱۲ جن کو خاص انعام حاصل تھے جن کا ابھی ذکر ہوا۔ جن کو خداوند نے اس لئے مقرر
کیا تاکہ مسیحیوں کو پورے طور سے تیار کریں تاکہ وہ بہتر خدمت کے قابل ہو جائیں۔ اور
ساری کلیسیا کو فائدہ پہنچے وہ ترقی کرے اور مضبوط بنے۔ اُسوقت سے لیکر خدا ایسے
قابل مرد و عورت دُنیا کو عنایت کرتا رہا ہے۔ جو اسی الہام سے ملبس تھے اور ہمیں یقین
ہے کہ وہ ایسا کرتا بھی رہیگا۔

نوٹ۔ ہم کوشش کریں کہ ساری کلیسیاؤں کے شمر کا ترقی کریں اور یوں ظاہر ہو
جائیگا کہ کون کون سے لوگ مسیحی کام اور مسیحی پیشوا بننے کے لئے خاص قابلیت رکھتے ہیں۔

۱۳- ہم سب کے سب۔ یعنی کل کلیسیا یہاں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ہر مسیحی کا جو انتہائی کام

ہے وہ تین مراوف صورتوں میں ظاہر کیا گیا ہے (۱) وہ کوشش کریں کہ اپنے ایمان اور خدا کے بیٹے کے عرفان میں یگانگی حاصل کریں کیونکہ یہ الٰہی گیان ایسا اعلیٰ عرفان ہے جسے حاصل کرنا آدمی کے لئے ممکن ہے (۲) کامل انسانیت تک پہنچنے کی وہ کوشش کریں۔ خدا کا یہی مطالبہ ہے۔ انسانی نسل کی تربیت میں خدا کا مقصد یہی تھا کہ ایک کامل روحانی سیرت پیدا ہو۔ (۳) وہ مسیح کے ہم شکل بننے کی کوشش کریں۔ کمال کا معیار وہی ہے (لوقا ۶۔ ۴۰ + رومیوں ۸۔ ۲۹)

کامل انسان ۔ دیکھو ۴۔ ۲۴۔ مسیح کامل انسان تھا۔ کیونکہ اس میں الٰہی اور انسانی صفات کامل طور سے مجتمع تھیں۔ وہ بدنی اور روحانی دونو قسم کی صفات میں کامل تھا۔ اسیطرح ہم بھی کامل انسان بنینگے۔ یعنی انسانیت کے قد کے پورے اندازے تک بڑھ جائیں یا بالفاظ دیگر پورا نشوونما حاصل کرینگے۔ کہ جب ہم مسیح کے ہم شکل ہو جائیں گے۔ یا جب ہم میں انسانی ذات کے ساتھ ساتھ الٰہی ذات بھی بڑھتی جائیگی۔ حقیقت میں کامل انسان تو الٰہی انسان ہے۔ یہ عجیب راز اور اہم مسئلہ ہے

سوال۔ کیا میرا نشوونما رُک گیا ہے اور میں پست قد۔ بونا رہ گیا ہوں۔ یا میں اپنے رُوحانی قد تک بڑھ گیا ہوں؟ ہماری عاقبت کا یہ تصور کیسا اشرف و اعلیٰ ہے اور اس دُنیا میں کمال تک بڑھنے کے لئے کیسی حوصلہ افزائی یہاں پائی جاتی ہے لیکن افسوس ہم کس قدر پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ تصور کہاں ہے دیکھو رومیوں ۸۔ ۱۳ و ۱۴ + ۲ پطرس ۱۔ ۴ + ۱ یوحنا ۳۔ ۲۰۔

۱۴۔ اس آیت اور ۱۳ آیت میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ کیسا عجیب ہے مسیحیوں کو چاہیئے کہ وہ حصول عرفان اور طاقت میں بچے نہ بنے رہیں اور نکمّے ورد لیکے طرح پیچھے رہ جائیں بلکہ وہ بالغ انسان

نہیں مستقل اور دانا ہلوا کر تھی ۱۶۔ ۱۳) ۔ (۲) مسیحی کو نہ چاہیئے کہ لوگوں کی مختلف رایوں اور تعلیموں سے اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرے۔ جیسے جہاز ہواؤں کے جھونکوں اور لہروں کے طپانچوں سے اُچھلتا پھیتا رہے بلکہ وہ اپنے ایمان میں متفق اور مستقل ہوں (اکرنتھی ۱۵۔ ۵۸) ۔ (۳) مسیحیوں کو چاہیئے کہ وہ عقلمند بنیں۔ تاکہ لوگ آسانی سے اور طرح طرح کے مکر وحیلوں سے فریب نہ دے سکیں اور وہ جھوٹے معلموں کے پنجوں میں نہ پھنس جائیں بلکہ خدا کے بیٹے کے عرفان میں اور الٰہی سائنس کے صحیح اصولوں میں پختہ طور سے قائم ہوں۔

نوٹ :۔ اس جگہ دو خاص سبقوں کو ہم یاد رکھیں۔ (۱) دینی امور میں راستی از حد ضروری ہے اور اس پر ہر حالت میں قائم رہنا چاہیئے۔ (کلسیوں ۲۔ ۸ و ۱۶ سے ۱۹ عبرانی ۵۔ ۱۲ سے ۱۴) ہم پرانی ریت رسوم اور خیالات میں ہی پھنسے نہ رہیں جب کہ ہم کو معلوم ہو گیا کہ وہ صحیح نہیں۔ (۲) برعکس اس کے غلط اور جھوٹی تعلیم خواہ کیسی ہی نئی اور دلکش ہو۔ خطرناک اور خوفناک ہے (۱+ ۱۸۔ ۱۹) کیا ہندوستانی کلیسیا میں اس کا خطرہ ہے؟

۱۵۔ اگرچہ یہ ہمارا فرض ہے کہ غلطی کو فاش کر دیں اور راستی کو مشتہر کریں اور اس پر قائم رہیں اور دوسروں کے ساتھ راستی سے پیش آئیں لیکن پھر بھی ہم بڑی دانائی اور محبت سے اس کام کو سرانجام دیں تاکہ ہماری سیرت مسیح کی طرح ہوتی جائے جسے ہم اپنا سر تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی طرح ہم راستی کو دل رُبا اور دلکش بنائیں۔ محبت کے بغیر راستی دُرشت خشک اور تلخ ہے۔ محبت بھی بغیر صداقت کے کمزور اور نادان ہے۔ محبت اور صداقت دونو اس میں جمع تھیں جو ہمارا سر ہے۔ کیا مسیح جیسے سر

سے بدن کو فخر حاصل نہیں؟

۱۶ - اس آیت میں اس تشبیہ کا اچھا بیان ہے کہ کلیسیا مسیح کا بدن ہے اس کے معنی یوں کہ یہ لازمی بات ہے کہ بدن برابر بڑھتا اور نشوونما پاتا رہے۔ جو بدن بڑھتا نہیں وہ کمزور اور بے جان اور بے فائدہ ہوجاتا ہے۔ اس نشوونما کے بارے میں ہم یہ سیکھ سکتے ہیں (۱) یہ صرف مسیح سے جو سر اور ساری زندگی اور قوت کا چشمہ ہے مل سکتا ہے ہر عضو کی صحت اس امر پر موقوف ہے کہ سر کے ساتھ گہرا رشتہ رکھے۔ سر سے ہر عضو کو مدد ملتی ہے اور ہر عضو سر کو مدد دیتا ہے (۲) اس نشوونما کا حصر اس پر ہے کہ سارے اعضا اور اجزا کا سر کے ساتھ ایسا اتحاد ہو کہ وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں (۳) یہ نشوونما سڈول ہوتی ہے (۴) فی الحقیقت یہ نشوونما محبت اور بے غرض خدمت ہے جو ہم ایک دوسرے کی بہبودی کے لئے کرتے ہیں۔

اس تاثیر کے موافق - سارے اعضا اپنی اپنی حیثیت اور قابلیت کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں (۱ پطرس ۴-۱۰ و ۱۱) بدن میں کوئی عضو بھی حقیر اور بے حقیقت نہیں۔ ہر عضو اپنی اپنی جگہ ضروری ہے اس سارے مقام میں سارے بدن کے نشوونما پر زور دیا گیا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سارے اعضا کو مل جل کر کام کرنا ہے۔ ہر عضو کا یہ کام ہے کہ دوسرے اعضا کی پرورش اور تقویت میں مدد دے۔ اگر ایک عضو اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو سارے بدن کو دکھ پہنچتا ہے۔

سوال - آج کل جو مسیحیوں میں تفرقے اور اختلاف پائے جاتے ہیں کیا وہ راست اور جائز ہیں؟

نوٹ :- انیس صدیوں سے تفرقے کی روح کلیسیا میں بڑھتی چلی آتی ہے لیکن خدا کا شکر ہو کہ بیسویں صدی کے شروع سے اتحاد اور مل کر کام کرنے کی آرزو روز بروز بڑھ

رہی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف فرقے اور مذہب مسیح کو قبول کریں۔ تو وہ خود متحد ہو کر ایک زبردست اجیت فوج بن جائیں۔ اگر سارے اتحادی متفق ہو کر نہ لڑتے تو یورپ کی جنگ عظیم میں کبھی فتح حاصل نہ ہوتی۔ پس ایک ہی سپہ سالار کے نیچے ہم ایک دوسرے کی مدد کریں تاکہ اس روحانی جنگ میں جو آجکل جاری ہے دنیا کو بچا سکیں۔ ہم سب چوکس ہو جائیں بے پروائی اور سستی کو چھوڑ دیں اور اپنی ہی ترقی کے خیال میں اُلجھے نہ رہیں۔

باب چہارم ۱۷ سے ۳۲ پُرانے اور نئے چال چلن میں مقابلہ

اس لئے - یعنی اپنی اعلٰے بلاہٹ اور مسیح کے بدن کے اعضا ہونے کی حیثیت سے رسول نے نومریدوں کو اس امر سے آگاہ کیا جو بدکار شہر اور بگڑی سوسائٹی میں رہتے تھے کہ وہ اپنی پُرانی زندگی کے بالکل برعکس نئی زندگی میں قدم ماریں۔ مسیحی ہونا نیا انسان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس زمانے میں یہ نئی تعلیم تھی۔

بیہودہ خیالات - یعنی وہ خیالات اور خواہشیں جن کا ذکر اگلی آیات میں آیا ہے

۱۸ - دیکھو۔ رومیوں ۱- ۲۱ سے ۲۳ -

دلوں کی سختی - یہ ان کی جہالت اور نادانی کا نتیجہ تھا۔ دل کی سختی کی وجہ سے آدمی اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔

خدا کی زندگی - یہ حقیقی روحانی زندگی نئی زندگی ہے جس کا اتحاد خدا سے ہے اور جو رُوح القدس کے وسیلے ان لوگوں کو ملتی ہے جو مسیح میں ہیں۔ غیر قوموں کے لئے یہ خیال بالکل نیا تھا۔ (کلسیون ۳-۴ ۳ ۔ گلتیوں ۲-۲۰)۔

اخلاقی تحریکیں جو کہ ہمارے چال چلن کی رہنمائی پر مقرر ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے دلوں کو بدلیں اور اپنی زندگی کے عین مرکز میں نئے ہو جائیں یعنی اپنی روحوں میں ہم ہمیشہ یاد رکھیں کہ نوع انسان کے لئے خدا کا خاص مقصد یہ ہے کہ روحانی قوت اعلیٰ درجہ تک ترقی کر جائے۔

نئے بنتے جاؤ۔ دیکھو افسیوں ۲-۱۰+ رومیوں ۱۲-۲+ ۲ کرنتھیوں ۴-۱۶+ ططس ۳-۵+ جس طرح ٹیکے سے متعدد بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی گنہگار طبیعت کا علاج بھی نئی انسانیت کے ٹیکے سے ہو سکتا ہے۔ آیات ۱۱۳ اور ۲۴ پر کے نوٹ دیکھو۔

۲۴- نئی انسانیت (دیکھو ۴-۱۳ کا نوٹ) یعنی مسیح کی انسانیت کی مانند۔ یہی علاج ہے جو پرانی خرابی کو دفع کر دیتا ہے۔ دیکھو۔ کلسیوں ۳-۳ و ۹ و ۱۰+ رومیوں ۱۲-۸ سے ۱۴+ فلپیوں ۳-۱۳+ ۲ کرنتھیوں ۳-۱۸+ ۴-۱۶+ ۵-۱۷-

مسیحی دین کی یہ لاثانی اور بنیادی تعلیم ہے۔

خدا کے مطابق- یعنی جو صورت اور شبیہ خدا کی مسیح میں ظاہر ہوئی۔ اس کے مطابق نیا انسان فی الواقع ابن خدا ہے۔ (پیدائش ۱-۲۷) اُسے چاہیئے کہ الٰہی صفات اور توفیق ظاہر کرے۔ ہم میں خدا کی یکجائی نوع انسان کے لئے خدا کا واحد مقصد رہا ہے۔

نوٹ:۔ جو کچھ ہم ہیں ویسے یسوع مسیح بن گیا تا کہ جو کچھ وہ ہے ہم بھی ویسے بن جائیں۔ وہ دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ انسان کی روح کو ہر طرح کی پستی و ذلت سے چھڑا کر اُس مادی اور خاکی حالت سے نکال کر سرافراز کرے۔

سچائی- صداقت اعلیٰ معنی میں خدا کا عرفان ہے جو حیات ابدی ہے۔ یہی دھرم گیان ہے۔ روح القدس کا نام سچائی کا روح ہے۔ انجیل سچائی کا کلام کہلاتی ہے (دیکھو یوحنا ۱-۱۷+ ۱۴+ ۶)

راستبازی اور پاکیزگی- یہ سچائی کا پھل ہیں اور سچائی یعنی خدا کے عرفان

سے جدا نہیں ہو سکتیں۔

نوٹ:۔ ۲۰ سے ۲۴ آیت تک۔ اس اہم عبارت میں یہ تعلیم ہے کہ انسان شروع میں خدا باپ کی صورت پر عرفان۔ راستبازی اور پاکیزگی میں پیدا کیا گیا تھا۔ جن مسیحیوں نے نئی پیدائش کا جو اوپر سے ملتی ہے۔ تجربہ کیا ہے وہ سر سے پاؤں تک اِن الٰہی صفات سے ملبس ہو جائیں۔

۲۵- ان اگلی آیتوں میں بعض بد عادتوں کا ذکر آیا ہے جو امراض متعدی کی طرح ترک کرنی چاہئیں کیونکہ وہ نئے جنم اور نئی زندگی اور مسیحی چال چلن کے خلاف ہیں خاصکر اس لئے کہ وہ فائدہ عام اور کلیسیا کی مجموعی زندگی کیلئے مضر ہیں۔ (۱ کرنتھی ۱۲-۲۵ و ۲۶)

نوٹ:۔ نفس کشی کرنی ہے تاکہ ہم خدائی صفتیں پیدا کریں۔

جھوٹ بولنا چھوڑ کر مسیحیوں کو راست گو دیانتدار اور دوسروں کے ساتھ بے ریا ہونا چاہیئے۔ نہ صرف اپنے کلام میں بلکہ اپنے اعمال میں بھی (کلسیوں ۳-۹- زکریاہ ۸-۱۶ و ۱۷) کیونکہ ایک بدن کے عضو ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ایک دوسرے سے وفاداری اور دیانت داری کے ساتھ سلوک کریں۔ یعنی لین دین میں دیانتدار ہوں اور ایکدوسرے کے ساتھ برتاؤ میں عدل و انصاف پر عمل کریں۔

۲۶- غصہ تو کرو لیکن گناہ نہ کرو۔ یہ یونانی ستروں کے ترجمے سے زبور ۴-۴ سے اقتباس ہے مزاج کا بھڑک اٹھنا ہمیشہ بُرا ہے البتہ بعض اوقات پر ہمارا غصے و غضبناک ہونا راست اور مناسب ہے مثلاً بے انصافی- ظلم اور ریاکاری کے خلاف (مرقس ۳-۵)

سوال- مسیح نے کن موقعوں پر اور کن باتوں کے خلاف اپنا غصہ ظاہر کیا؟ علاوہ ازیں ہمارا غصہ کبھی ذاتی اور خود غرضی سے نہ ہو۔ اگر ہم کبھی چڑ جائیں تو رات کو سونے سے پیشتر ہم طلب کریں

ہم لوگوں کی طرف سے بے عزتی اور نقصان اٹھا کر دل میں بغض نہ رکھیں۔ کیونکہ ہرگز ہرگز ہم مسیحیوں کی شان کے شایاں نہیں۔ اور عالی ہمتی کے خلاف ہے نہ غصہ میں آ کر کسی کا نقصان کریں۔ یہ تو کمینگی ہوگی۔ ہم اپنی عزت کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور ذرا ذرا بات میں اپنی بے عزتی سمجھنے لگتے ہیں یہ ایک بُری قسم کی خود پسندی ہے۔

۲۷۔ ابلیس تو موقعہ ڈھونڈتا رہتا ہے کہ ہمارے دلوں میں داخل ہو اور غصہ کے وقت ہی تو اسے موقعہ ملتا ہے کہ ہمارے دلوں میں طرح طرح کی باتیں ڈالے۔ کیونکہ غصہ کی حالت میں آدمی پر غرور اور حسد کی بد روحیں چڑھ جاتی ہیں۔ ابلیس کے معنی ہی یہ ہیں الزام لگانے والا۔ وہ اپنے گماشتوں کے ذریعہ دنیا میں سخت فتنہ بازی کر رہا ہے (افسیوں ۴-۱۱)

۲۸۔ مسیحی اخلاق نہ صرف ہم کو بدی کرنے سے روکتا ہے بلکہ حق کام کرنے کا صریح حکم دیتا ہے نیکی پر برابر عمل کرنے سے مسیحی سیرت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسیحی دین چوروں کو دیانتدار بنا دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ سب لوگ کسی نہ کسی محنت مزدوری سے روزی معاش حاصل کریں۔ خاصکر جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ (۲ تھسلنیکیوں ۳-۱۰) سستی گناہ ہے اور کام کرنا سب لوگوں کا لازمی فرض ہے۔ دستکاری کی عزت و قدر کرنی چاہیئے۔ کوئی آدمی سادھو۔ فقیر اور بھکاری نہ رہے کہ دوسروں کی کمائی پر گذران کرے۔ لیکن جو فی الواقع محتاج ہیں ان کی مدد وہ لوگ کریں جن کو یہ قابلیت حاصل ہے۔

ہاتھوں سے محنت کرے۔ ہندوستان کے لوگوں کیلئے یہ سبق ضروری ہے۔ پولس رسول اپنے ہاتھوں سے محنت کیا کرتا تھا۔ وہ خیمہ دوز تھا۔

۲۹۔ مسیح نے زبان یا کلام کے مناسب استعمال پر بہت زور دیا۔ یہ وہ انعام ہے جس کے ذریعہ ہم دیگر حیوانات سے ممیز ہیں۔ زبان میں از حد طاقت ہے۔ چاہے اس سے نیکی کرو یا بدی

ہر قسم کا نفع اور نقصان اس کے حیطۂ اختیار میں ہے۔ یعقوب ۳-۱ سے ۱۲ میں اس کا عمدہ بیان آیا ہے اس کو پڑھو۔ ہم ناشائستہ۔ فضول اور نادانی کی باتوں سے پرہیز کریں۔ (متی ۱۲-۳۶) ہمارا کلام دوسروں کے لئے مفید و نمکین ہو۔ بجائے زخم لگانے کے زخموں کی مرہم کا کام دے (کلسیوں ۴-۶۔ لوقا ۴-۲۲۔ زبور ۴۵-۲۔ واعظ ۱۰-۱۲)

۳۰۔ ہم ابلیس کو موقعہ نہ دیں جو کہ ناپاک روحوں کا سردار ہے بلکہ خدا کے پاک رُوح کو رنجیدہ نہ کریں۔ بدکلامی سے ہمارے بدن اور عقل آلودہ ہو جاتے ہیں تو رُوح القدس کا جو ہم میں بستا ہے ہیکل ہونے چاہیئے تھے۔ (رومیوں ۸-۱۱ و ۲۳ و ۲۷) رُوح القدس کو رنجیدہ کرنا یا غم دلانا غضب کا گناہ ہے۔ اسی کی مدد اور طاقت سے ہم اپنی زبان کو لگام دے سکتے اور شیریں کلامی۔ فیاضی اور مہربانی کی طبیعت حاصل کر سکتے ہیں۔

مُہر ہے۔ ۱-۱۳ و ۴: ۱ کے نوٹ دیکھو۔

نوٹ:۔ سارے چال چلن میں مسیحیوں کو دو خاص خیالوں پر عمل کرنا چاہیئے: (۱) وہ رُوح القدس کے خاص ارادے اور کام کو یاد رکھیں جو کلیسیا کو اس لئے ملا ہے۔ تاکہ اس پر برگزیدگی کی مُہر لگائے اور اس کو پوری مخلصی حاصل ہو جس سے مراد ہے کہ اس کا ہر عضو بدی سے مخلصی حاصل کرے۔ بدن اور رُوح دونو کو گناہ سے بچانا چاہیئے۔ (۲) وہ یہ بھی یاد رکھیں کہ سارے چال چلن اور زندگی میں ہمارا اعلیٰ نمونہ خود خدا ہے اور ہم دوسروں سے ایسا ہی برتاؤ کریں جیسا کہ وہ ہم سے کرتا ہے۔ (۵-۱) کیونکہ وہ ہمارا باپ ہے اور ہم ایک ہی خاندان کے ممبر ہیں۔

۳۱۔ ہم اپنی رُوح میں رحیم اور معاف کرنیوالے ہوں ہم اپنی زبانوں اور کانوں پر پہرہ بٹھائیں۔ تاکہ دوسروں کے خلاف کوئی بدی کا کلمہ نہ کہیں اور نہ سنیں جن گناہوں

۱۔ عزیز فرزندوں کی طرح ۔ اس آیت کا تعلق ماقبل آیت سے ہے۔ مسیحی دین نے جو نئے خیالات ہم پہنچاتے ہیں۔ ان میں یہ سب سے اعلیٰ ہے کہ خدا کی تقلید کرو۔ یہ معلوم تو عجیب ہوتا ہے لیکن ہے بالکل سچ کہ جس طرح بچے اپنے والدین کی تقلید کرتے ہیں ۔ ہم بھی خدا کی تقلید کرنے والے بن سکتے ہیں ۔ (متی ۵۔۴۵ و ۴۸ + لوقا ۶۔۳۵ و ۳۶ + ۱ پطرس ۱۔۱۵ و ۱۶ + ۱ یوحنا ۳۔۱ سے ۱۰) جیسے اس نے ہم کو پیار کیا ویسے ہم پیار کریں یعنی کشادہ دلی اور فیاضی سے۔

۲۔ محبت سے چلو۔ رسول کی اخلاقی تعلیم کا یہ خلاصہ اور لب لباب ہے دیکھو یوحنا ۱۳۔۳۴ + ۱۵۔۱۲ سے ۱۷ + ۱ کرنتھی ۱۳ باب + گلتیوں ۲۔۲۰ + افسیوں ۵۔۲۵ + مکاشفہ ۱۔۵ ۔ مسیحی نعمتوں اور برکتوں میں سے محبت سب سے اعلیٰ ہے۔ بلکہ دنیا میں **سب سے افضل و اشرف ہے۔**

خوشبو کی مانند۔ حقیقی محبت ایثار نفسی میں ظاہر ہوتی ہے محبت کی حقیقی کسوٹی اور معیار یہی ہے اور مسیح کی قربانی خدا کے سامنے خوشبو کی طرح مقبول تھی۔ کیونکہ وہ خوشنودی کی نذر اور فرزندانہ اطاعت کی قربانی تھی۔ دیکھو پیدائش ۸۔۲۱ + احبار ۱۔۹ و ۱۳ و ۱۷ + فلپیوں ۴۔۱۸ + یوحنا ۱۲۔۳) کیا میری زندگی خوشبودار ہے

(۳) یہ بدبودار گناہ ہیں ۔ عمل۔ کلام یا خیال میں ناپاکی ان کے شایان شان نہیں جو خدائے قدوس کے بچے ہوں۔ (متی ۵۔۲۸ + ۱۵۔۱۹ + اعمال ۱۵۔۲۰ + ۱ کرنتھی ۶۔۹ + ۱۳ ۔ ۸ + ۲ کرنتھی ۷۔۱۱ + گلتیوں ۵۔۱۹ + کلسیوں ۳۔۵ + ۲ پطرس ۲۔۱۴ + ۱ تھسلنیکیوں ۴۔۳ + عبرانی ۱۳۔۴) بت پرستوں کے درمیان ایسے گناہ بہت عام ہیں لیکن ان کا تو مسیحیوں کے درمیان زبان سے ذکر کرنا بھی درست نہیں اور نہ ہنسی سے

کا یہاں ذکر ہے وہ بہت مکروہ اور شیطانی ہیں۔ تو بھی وہ بہت عام ہیں اور ان کی گرفت کرنا بہت مشکل ہے اور ان پر غالب آنا دشوار۔ وہ اکثر مسیحیوں میں بھی پائے جاتے ہیں یہ زہریلے کیڑے ہیں جو بہت دعا اور بیداری سے مر سکتے ہیں تاکہ وہ ہماری سیرت پر اثر نہ کریں اور ہماری طبیعت اور چلن میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جو کہ مسیح کے ہم شکل بننے کے لئے ضروری ہے اگلی آیت میں جو تصویر ہے وہ اس کی ضد ہے۔

۳۲۔ نقصان کے بدلے نقصان پہنچانے کی بجائے اور گالی کے عوض گالی دینے کی جگہ ہم فیاض۔ رحم دل اور معاف کرنے والے ہوں۔ ہم نہ صرف معاف کرنے کی کوشش کریں بلکہ جو نقصان ہم کو پہنچا ہے اس کو بھلا دینے کی بھی کوشش کریں۔ یوں ہم خدا کی تقلید کرنے والے بن جائیں گے۔

ایک دوسرے کے قصور معاف کرو۔ دیکھو متی ۶۔۱۵ + ۱۸۔۳۵ + مرقس ۱۱۔۲۵ + لوقا ۲۳۔۳۴ و ۴۳ ۔ کلسیوں ۳۔۱۳ ۔ ۱ پطرس ۴۔۸ سے ۱۰ کیا ہم سچے دل سے ایسا کرنا چاہتے ہیں؟ دیکھو اگلی آیت۔

باب پنجم ۱ سے ۱۴

(یہاں بابوں کی تقسیم نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ یہاں وہی مضمون جاری ہے جو چوتھے باب میں تھا)

ہم مسیح کی طرح خدا کے ہم شکل ہوں اس لئے چاہیئے کہ دوسروں کے ساتھ برتاؤ میں ہم محبت اور خود انکاری کا اظہار کریں ہر طرح کی ناپاکی سے کنارہ کریں اور تاریکی کو ملامت کر کے نور کے ذریعہ نکال باہر کریں۔ کیونکہ جہاں نور آتا ہے تاریکی بھاگ جاتی ہے

ان کو منہ سے نکالنا چاہیئے۔ ہم ایسی باتوں کو دل میں جگہ دینے کے ذریعہ روح القدس
کی ہیکل کو ناپاک نہ کریں۔

لالچ۔ اس سے خاصکر جسمانی شہوتوں کی طرف اشارہ ہے ۴-۱۹ کا نوٹ دیکھو۔

۴۔ بے شرمی۔ یعنی نہایت بُری جسمانی شہوت۔

بیہودگی۔ بُری چیزوں کے بارے میں احمقانہ اور بے معنی تذکرہ

ٹھٹھے بازی ناشائستہ اور بُرے مضامین کی طرف ہنسی سے اشارہ کرنا۔

شکر گذاری۔ کاش کہ ہمارے ہونٹوں کو خدا کی محبت چھُوئے تاکہ اس کی تعریف
ان سے نکلے نہ کہ ایسی باتیں جن سے اس کی بے عزتی ہو۔

۵۔ جو بُت پرستی کے برابر ہے۔ نہ صرف بخیل شخص جسے دولت کا لالچ ہے اور
روپیہ کو خدا سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ بلکہ وہ حرامکار شخص بھی جو جسمانی خواہشوں کو پیار کرتا
ہے اور خدا کی جگہ ان سے محبت رکھتا ہے وہ بھی بُت پرستوں میں شمار کیا گیا ایسے
لوگ فی الحقیقت اخلاقی طور پر کوڑھی ہیں۔ دولت اور شہوت دو بُت ہیں جن کے
بہت پرستار ہیں۔

۶۔ مکر سے بھرے چھچھورے عذر وحیلے اور ان باتوں کے بارے میں بداخلاقی کی تعلیم کلیسیا
کے لئے ایک سخت آزمائش رہی ہے اور مسیحیوں کو چاہیئے کہ ان کی طرف سے ہمیشہ بیدار
رہیں جن سے خدا سخت نفرت رکھتا ہے۔

خدا کا غضب۔ یہ خوفناک جملہ ہے (رومیوں ۱-۱۸ + ۲-۵ + ۹-۲۲ + کلسیوں
۳-۶ + مکاشفہ ۶-۱۶ + ۱۹-۱۵ + ۲۱-۲۸)

۷۔ نافرمانی میں شریک اور آنے والے غضب میں بھی شریک۔

۸۔ یہ بھی سخت جملہ ہے۔ زندگی کی تبدیلی پوری اور کامل ہونی چاہیئے (متی ۵-۱۴ + فلپیوں ۲-۱۵)

خداوند میں۔ حقیقی اخلاق مسیح کے عرفان ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے اور اس کے
ساتھ اتحاد رکھنے کے وسیلے جو دنیا کا نور ہے حقیقی مسیحی کی زندگی اس نور میں پیوستہ زندگی ہے

نور کے فرزند۔ نافرمانی کے فرزند کے لقب کے مقابلہ میں یہ کیسا عمدہ لقب ہے
(دیکھو یوحنا ۹-۵ + ۱۲-۳۶ + ۱ یوحنا ۱-۵ سے ۷ + ۲ کرنتھی ۶-۱۴)

(۹) نور کا پھل۔ یہ بہت قابل غور اور دلچسپ جملہ ہے۔ حقیقی مسیحی کی لازمی
صفات کی یہاں خوبصورت تعریف آتی ہے۔ مقابلہ کرو۔ گلتیوں ۵-۲۲ و ۲۳-
فلپیوں ۴-۸- غور سے ان مقامات کا مقابلہ کرو۔

(۱۰) معلوم کرتے رہو۔ خدا کی مرضی کی کسوٹی پر ہر بات کو پرکھتے جاؤ (رومیوں
۱۲-۲) ان میں سے ہر ایک کے بارہ میں ہم ہمیشہ یہ سوال کریں کہ کیا یہ خدا کو پسند
ہے؟ مسیح کی پیروی کرنے کے ذریعہ ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارا معیار
وہی ہے (یوحنا ۴-۳۴ + ۶-۳۸ + ۸-۱۹)

۱۱۔ طبعی طور پر گناہ تو بے ثمر ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا اور نہ کچھ حاصل ہوتا
ہے البتہ اس کے ذریعہ سے بدن اور عقل دونو سڑتے گلتے ضرور ہیں۔ اس کو تاریکی سے
تشبیہ دی گئی ہے۔

ملامت ہی کیا کرو۔ ۱۱ کلام گناہ کو ہمیشہ بُرا ہی سمجھو اور اس پر ملامت ہی کیا
کرو۔ پہلے اس کو فاش کر دو تاکہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے (یوحنا ۳-۲۰)
یہ جھوٹے عذر وحیلے کے طبقات میں بستا ہے۔ ہاں یہ اپنے تئیں چھپانا اور پوشیدہ
رکھنا چاہتا ہے اور یوں یہ ہمیں فریب دیتا ہے گناہ کے لئے عذر کبھی قبول نہ

کرو اور نہ اس کو کبھی جائز ٹھہراؤ - بلکہ اس کو فاش بے نقاب کر کے اس پر ملامت کرو۔

سوال۔ کیا اہل ہند گناہ کا گہرا احساس رکھتے اور اس کو جرم ٹھہراتے ہیں؟

۱۲۔ بعض گناہ ایسے ہیں کہ جن کی مناسب ترین مذمت انکے بار بار کے اقرار یا ذکر کرنے سے نہیں بلکہ مسیحی شخص کی راستبازانہ اور پاکبازانہ زندگی سے ہوتی ہے اسی طریقہ سے ہم ان گناہوں کو انکی اصلی اور مکروہ صورت میں دیکھتے اور ان کی حقیقی سنگینی کو سمجھ سکتے ہیں۔ حقیقی زندگی کی روشنی انسانی سوسائٹی پر صحت بخش اثر ڈال سکتی ہے۔

۱۳۔ اس مقام کے عام معنی یہ ہیں۔ کہ نور ہی تاریکی پر غالب آسکتا ہے اس لئے جو مسیحی مسیح کے نقش قدم پر چلتا ہے گو وہ گناہ آلودہ دنیا میں ہی زندگی بسر کرتا ہو۔ وہ اپنی معصومیت۔ راستی اور صداقت کے ذریعہ گناہ پر فتوٰی دے سکتا ہے۔ جو پوشیدگی میں کئے جاتے اور جن کا ذکر تک نہیں کیا جاتا — مسیحی شخص کا یہ فرض نہیں کہ دنیا کو بالکل ترک کر دے یا اس سے علیحدہ ہو جائے بلکہ اس کو چراغوں کی طرح تاریکی میں چمکنا چاہیئے۔ اور جو لوگ جو اب تک تاریکی میں رہتے ہیں (خواہ دوست ہوں یا رشتہ دار) خود گناہ سے قائل ہو کر رجوع لائینگے اور دنیا میں نور کی طرح چمکیں گے۔ نور تو تاریکی کو بھی روشن کر دیتا ہے۔

۱۴۔ یہ لفظی اقتباس نہیں۔ غالباً اس کا اشارہ یسعیاہ ۶۰-۱ + ۵۱-۱۷ و ۵۲-۱ غالباً یہ کسی قدیم گیت کا جزو ہے (اور شاید ۴-۸ بھی) جو قدیم کلیسیا میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ تو گویا بگل کی آواز ہے جس کے ذریعہ مسیحی فوج تاریکی کی فوجوں پر فتح پانے کے لئے جاتی ہے۔

اے سونے والے جاگ۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ آدمی نادان بے پروا اور

بے حس جیسے ہیں۔ وہ موت کی سی نیند میں مبتلا ہیں۔ صرف زندگی کا خداوند ہی انہیں اس نیند سے جگا سکتا ہے (یوحنا ۵-۲۵) ہر ایک کا فرض ہے کہ اس نیند سے جاگے۔ اور اس دنیا کی مُردنی کو اتار پھینکے اور سیدھا کھڑا ہو کر مقابلہ کرے۔ علاوہ ازیں ہر مسیحی کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو بھی جگا جگا کر خواب غفلت سے بیدار کرے۔

مسیح کا نور۔ سورج کی روشنی سے بڑھکر کونسی چیز زیادہ ضروری اور برکت والی ہو سکتی ہے؟ مسیح دنیا کا نور ہے اور اس میں زندگی۔ صحت اور قوت ہے (یوحنا ۱-۴ ملاکی ۴-۲) وہ دن کیسا مبارک ہوگا۔ جب کہ حقیقی نور خفتہ روح پر طلوع ہو کر تاریکی کے سایہ کو دور کریگا!

نوٹ:۔ (۱) نور و تاریکی کے مابین جو جنگ ہے وہ ترقی پر ہے۔ نور تو نیکی کا نشان ہے اور تاریکی بدی کا۔ اور نور تاریکی کو ترک کرتا ہے (۲) نئے عہدنامے کے ان مقاموں کو پڑھو۔ جہاں نور کی تشبیہ استعمال ہوئی ہے۔ (۳) کون لوگ فی الحقیقت منور اشخاص ہیں؟ نہ رشی۔ نہ عالم اور نہ فلاسفر جن میں سے اکثر نور کے لئے چلاتے رہے۔ جیسے بچے تاریکی میں چلاتے ہیں۔ بلکہ جن کے دل اور ضمیر خدا نے منور کر دئے (متی ۱۱-۲۵)

نور سے نور حقیقی طور سے نورانی ہونا صرف چند ہی لوگوں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ ان سب کے لئے ہے۔ جو مسیح کے پاس آتے ہیں (دیکھو یوحنا ۱-۲۰ و ۲۱- ۲-۹ و ۱۰ + ۳-۱۸) جو سچ مچ حقیقی متلاشی ہیں اور جو نور سے خوف نہیں کھاتے۔ جو لوگ راستی کے بھوکے پیاسے ہیں وہ مبارک ہیں۔ بہت ایسے برائے نام عالم ہیں جو فی الواقع خفتہ ہیں کیونکہ ان کو اپنی عقل پر گھمنڈ ہے ایسے لوگ تاریکی

میں پڑے رہتے ہیں۔

باب پنجم ۔ ۱۵ سے ۲۱ ۔ مسیحی چال چلن

(۱) وقت قیمتی ہے (۲) پرہیزگاری (۳) شکرگذاری (۴) فروتنی اور خود انکاری۔

۱۵۔ **غور سے دیکھو**۔ جو مسیحی بیدار ہیں اور روشن ہو چکے ہیں وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔ اور بڑی عقل و احتیاط سے اُن خطرات کو دیکھیں جو چاروں طرف ان کو گھیرے ہیں اور جعل سازیوں کو پہچان لیں۔ اور ان ذمہ داریوں کو یاد رکھیں جو ان کے کندھوں پر دھری گئی ہیں۔

کس طرح چلتے ہو۔ ساتویں اور آخری دفعہ یہ تشبیہ استعمال ہوتی ہے۔ روزبروز یہ معقول سوال اپنے سے کرنا چاہئے۔ کہ تیرا کیا حال چال ہے؟

داناؤں کی مانند چلو۔ مسیحیوں کے لئے یہ لازمی فرض ہے کہ ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لیں۔ ۱-۸ کے نوٹ کو دیکھو۔ ہم بہت دفعہ اپنی بیپرواہی سے بے سوچے سمجھے غلطی کرتے اور اپنے تئیں احمق بناتے ہیں اور جلدبازی اور بےصبری سے کام لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمیں چستی اور ہنرمندی سے دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہئے۔ ہم وقت کی پابندی اور دیانتداری سے اپنے اقرار کو پورا کریں

(۱۶) **وقت کو غنیمت جانو**۔ یونانی کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا۔ "موقعہ کو خرید لیا کرو"۔ جو خرید کرنے میں چُست اور مستعد ہوتے ہیں اُنہیں کو اچھا سودا حاصل ہوتا ہے اہل ہند کو وقت کی قدر نہیں زندگی کے موقعے قیمتی ہیں اور ہم دانائی سے عین وقت پر اُن سے فائدہ اٹھائیں اور بہترین طریقوں سے اُن کا استعمال کریں (کلسیوں ۴-۵ + گلتیوں

۶-۱۰ + رومیوں ۱۲-۱۱) ہم بہترین طریقوں سے اپنی قابلیتوں کو ترقی دیں اور اُن کو خدا کی خدمت میں صرف کریں۔ دیکھو واعظ ۹-۱۰ + ہم اپنے چراغوں کے گل کتریں اور ان کو جلتا رکھیں۔ ہماری روشنی ماند نہ پڑ جائے اور نہ چھپی رہے ہم اچھے سے اچھے سودے کریں اگر ہم اپنی زندگی کو مفید بنانا چاہتے ہیں تو واجب ہے کہ ہم بیدار سرگرم اور مستقل ارادہ رہیں۔ زندگی کا بڑا راز یہ ہے کہ ہم حقیقی قدر و قیمت کو دریافت کرکے اسکی قدر کریں

دن بُرے ہیں۔ ہم ہوشیار اور خبردار ہوں کیونکہ ہم اپنے تجربے سے یہ معلوم کرتے ہیں کہ روزبروز طرح طرح کی ناپاکی۔ بدی اور مخالف حالات سے ہم کو سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ہم حتی الامکان کوشش نہیں کرسکتے۔ (واعظ ۱۲-۱) بدی کی طاقتیں روزبروز قوت پکڑتی جاتی ہیں جیسا کہ ان ایام میں ہم نے معلوم کرلیا اس لئے چاہئے کہ نیکی کی طاقتیں بھی زور پکڑیں۔ اور پورے طور سے مستعد ہو جائیں۔

۱۷۔ اگر ہم کو معلوم ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے تو ہم فی الحقیقت دانا ہونگے اور ٹھوکر نہ کھائینگے۔ (رومیوں ۱۲-۲) زندگی میں ہماری کامیابی اور خوشحالی کا ہر قدم خدا کی مرضی بجالانے پر سراسر موقوف ہے اور اس کی مرضی اس کے کلام میں پائی جاتی ہے (زبور ۱۱۹-۱۰۵ + امثال ۲-۱ سے ۹) روزمرہ کاروبار میں یہی ہمارا ہادی ہو۔

۱۸۔ **شراب میں متوالے نہ بنو**۔ (دیکھو ۲۰-۱ ۲۳-۲۹ ۔۔۔۳۵ + لوقا ۲۱-۳۴ + رومیوں ۱۳-۱۳ + ۱ کرنتھی ۵-۱۱ + ۶-۱۰ + گلتیوں ۵-۲۱ + ۱ تیمتھیس ۳-۳)۔

عیاشی۔ نشہ بازی عموماً لازم ملزوم ہیں جب آدمی مست ہو جاتا ہے اُس کی عقل اس کو جواب دے جاتی ہے اور ہر طرح کی بدی کا شکار ہو جاتا ہے اُس کی حالت تو ایسی ہوتی ہے گویا کوئی دیو اس پر چڑھ گیا ہے سچ مچ شراب ایک شریر روح تو ہے اس سے

جھوٹی ذلیل کرنے والی تحریک پیدا ہوتی ہے آدمی اپنے قابو میں نہیں رہتا۔ اور ہر
طرح کی زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے یونان اور ایشیائے کوچک کے لوگ۔ تیوہاروں اور
ضیافتوں کے وقت شراب پینے کے عادی تھے۔ بلکہ لوگوں نے عشائے ربانی کو بھی شراب
میں مبتلا ہونے سے بگاڑا۔ (۱-کرنتھی ۱۱-۷ اور ۳۴) اس لئے رسول نے ہم کو یہ آگاہی
دی۔ ان ایام میں یہ ضروری ہے کہ سارے مسیحی مسکرات سے بالکل کنارے رہیں۔
کیونکہ شراب خوری سے ہر طرح کے بُرے نتیجے نکلتے ہیں۔

روح سے معمور ہوتے جاؤ۔ یہ حکم ہے۔ مسیحیوں کے لئے یہ ممکن ہے کہ اعلیٰ
عقلی اور روحانی خوشیوں کا حظ اٹھائیں جن سے دل میں حقیقی اور ابدی خوشی پیدا
ہوتی ہے۔ رُوح القدس خوشی بخشنے والا روح ہے جب ہمارے دلوں میں مسیح
کی محبت بھر جاتی ہے اور **پریم سنگت** کے ذریعہ ایک دوسرے سے شراکت رکھتے
ہیں تو ہمیں اعلیٰ درجہ کی تازگی خوشی اور جوش حاصل ہوتا ہے۔ ایک روحانی مستی
اور روحانی وجد بھی ہے جو رُوح القدس کے ذریعہ ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا
ہے جو ہر طرح کے طبعی نشہ سے کہیں بہتر اور اعلیٰ ہے۔ اس سے نہ کسی کا دل ٹوٹتا
ہے اور نہ کوئی خاندان تباہ ہوتا ہے دیکھو کلسیوں ۳-۱۶ + اعمال ۱۶-۲۵)

سوال۔ ہم مرد و عورت کیوں رُوح القدس سے معمور نہیں؟ پڑھاؤ۔ ۲ مرتبہ ۲۹

(۱۹) **آپس میں**۔ مسیحیوں کو چاہئے کہ جلسوں اور میلوں میں اکثر ایک دوسرے
سے ملاکریں اور برادرانہ محبت کا اظہار کریں اور دل و زبانوں سے اور ساز و دل سے
خدا کی تعریف و شکر گذاری کے ساتھ اپنی خوشحالی اور دلی اطمینان کو ظاہر کیا کریں۔ ہماری
عبادت اور جلسوں میں موسیقی کا استعمال ہمارے دلوں کو خوش کرنے اور اُبھارنے

میں بہت مدد ہے۔ اس لئے مسیحیوں میں اس کے رواج کو زیادہ ترقی دینا چاہئے۔
دُعا اور تعریف ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں۔

۲۰۔ **سب باتوں میں** نہ صرف عام جلسوں میں بلکہ شخصی اور خلوتی حالات میں۔ مسیحی
اشخاص اپنی شکر گذاری اور خوشی کا اظہار کریں حتیٰ کہ غم و مصیبت میں بھی۔ کیونکہ
اُن کو معلوم ہے کہ جو خدا کو پیار کرتے ہیں ساری چیزیں مل کر ان کے فائدہ کے لئے
کام کرتی ہیں (رومیوں ۸-۲۸۔ نیز تھسلنیکیوں ۵-۱۸ + فلپیوں ۴-۱۲ + زبور ۱۰۳-
۱ و ۲۲) ہماری دعاؤں کی طرح ہمارا گانا بھی خداوند مسیح کے نام میں ہو۔ کیونکہ اسی
کے وسیلے ہماری رسائی خدا تک ہوتی ہے اور باپ کے ساتھ شراکت حاصل ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ یہاں مسئلہ تثلیث پر غور و فکر کی جائے

خدا باپ۔ ہمارا آسمانی باپ جو ہر ایک برکت کا سرچشمہ ہے وہی ہماری عبادت
تعریف و شکر گذاری کا موضوع ہے۔

۲۱۔ **مسیح کے خوف سے**۔ نہ اس لئے کہ ہم اُس سے خوف زدہ ہیں بلکہ اس
لئے کہ ہم یاد رکھتے ہیں کہ ہمارا آقا ہے اور ہم اپنے چال چلن کے لئے اُس کے آگے جواب
دہ ہیں اور وہ ہماری تابعداری کا خواہاں ہے اس لئے مناسب ہے کہ ہم زندگی کے ہر صیغے میں ہم
اپنے آقا کی عزت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک دوسرے کے تابع رہو۔ کیونکہ ہم مسیح کے خادم ہیں اس لئے ہم ایک دوسرے
کی خدمت کرنے پر راضی ہیں۔ ہماری مسیحی سنگت و شراکت میں ہماری خوشحالی کے ساتھ
ساتھ ہر ایک کے لئے فروتنی اور خود انکاری بھی ہو تاکہ ایک دوسرے [illegible] اور اس حکم پر عمل کریں
ایک دوسرے کے تابع ہو۔ دیکھو گلتیوں ۵-۱۳ + ۱-پطرس ۵-۵ + یوحنا ۱۳-۱۲ سے ۱۷۔

نوٹ:- ۱۶ سے ۲۱ پر- (۱) ہم دانا بنیں اور وقت کے نشانات کو پہچانیں اور بدی کی طرف جو میلان ہیں اُن کی مخالفت کریں۔ خاصکر ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہمارے لئے اور ہمارے وقتوں کے لئے خدا کی مرضی کیا ہے اور یوں ہم روحانی پیشوا بننے کی قابلیت حاصل کر سکیں گے۔ شکر گذاری۔ صدق دلی۔ خدا کے کلام کے مطالعے اور دُعا کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ غریب سے غریب مسیحی بھی خدا کے لئے اپنے رُسوخ کو اپنے ہمسایوں کے درمیان استعمال کر سکتا ہے۔ مسیحیوں کو چاہئے۔ کہ اپنی جماعتوں میں نور اور ہادی بنیں۔ (۲) جیسے روپیہ کی فضول خرچی ویسے وقت کی فضول خرچی گناہ ہے (۳) ہم تمدنی اور میل جول کی روح پیدا کرنے میں ساعی ہوں۔ آدمی طبعاً آداسی۔ فضولیات اور تنہائی سے بچنا چاہتا ہے یا کسی قسم کے اشتغال کے ذریعہ اپنے غم غلط کرنا چاہتا ہے لیکن نشہ کا استعمال غلط اور خطرناک ہے اس لئے ہم یہ کوشش کریں کہ مناسب میلوں۔ جلسوں۔ سنگتوں کے ذریعہ یہ خوشی اور مشغلے پیدا کریں۔ نشہ آور غلطاں ہوں بلکہ روح القدس کی شراب کے گھونٹ پینے سے۔ خاصکر موسیقی کے استعمال سے۔ مسیحیوں کو زندہ دل ہونا چاہئے اور وہ اپنے مذہب کو دلکش بنائیں۔ (۴) یہ بھی لازمی ہے کہ ہم باہمی خدمت اور مدد کے ذریعہ ایک دوسرے کی خدمت کریں (۱ کرنتھی ۱۲- ۱۲ سے ۲۱)

یہی حقیقی دین ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مسیحی لوگ اپنے ہادیوں کا حکم ماننا نہیں چاہتے اور نہ معمولی طریقے سے ایک دوسری کی مدد و خدمت پر رضامند ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو مسیحی کلیسیا زیادہ مضبوط اور زیادہ مؤثر ہوتی۔

باب پنجم ۲۲ سے ۲۳ مذکورہ بالا اصولوں کا خاص اطلاق

۲۲- اسے بیویو۔ دیکھو کلسیون ۳- ۱۸ + ۱ پطرس ۳- ۱ سے ۶۔ مسیحی دین اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں کے مساوی ہیں۔ خاص کر روحانی امور میں زندگی آزادی اور جو قوائے اس کو حاصل ہیں ان کے استعمال میں اس کو مردوں کے حقوق مساوی ہیں۔ عام معنی میں عورت مرد سے ادنےٰ نہیں بلکہ وہ آدمی کا تکملہ اور مثنیٰ ہے۔ پیدائش ۲- ۱۸ کے یہی معنی ہیں۔ خدا کی یہ غرض نہ تھی کہ عورت مرد کی غلام بن کر رہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ خاندان میں دو سر نہیں رہ سکتے اور شادی کے رشتے پر غور کرنے سے یہ مانا جاتا ہے کہ شوہر طبعاً پیشوا۔ ہادی اور محافظ ہے اور خاندان کے گذارہ کا ذمہ وار ہے اور انتظام کے معاملات میں بیوی اپنے خاوند کی اطاعت کرے۔ مرد پبلک امور میں رہنما ہو اور بیوی خانگی امور میں۔ اس لئے عورتوں کو بلا تعلیم نہیں رہنا چاہئے جیسا کہ زمانۂ ماضی میں تھا۔ جب شوہر اور جورو فی الحقیقت ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں تو کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔ اس معاملہ میں بڑی ہمدردی اور برداشت کی ضرورت ہے۔ ہر ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کرے تاکہ ایک دوسرے کی ترقی ہو۔

جیسے خداوند کی۔ دیکھو ۵- ۲۱۔ مسیح کی اطاعت سے یہ تشبیہ دی گئی ہے کہ بیوی ویسے ہی اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ یہ محبت اور رضامندی کی آزادانہ اطاعت ہے جو جائز اور معقول ہے۔

۲۳- بیوی کا سر۔ ۱ کرنتھی ۱۱: ۳۔ شوہر اور بیوی ایک بدن ہیں اور اس گھر سے

اور مقدس اتحاد کے ذریعہ شوہر رہنما اور ہادی ہے لیکن شوہر کو یہی زور ویسا حکم نہ چلائے جیسے آقا اپنے نوکر پر چلاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ جو رشتہ ہے اس میں ہر طرح کی خود غرضی سے مبرا اور منزا رہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ بعض اوقات خاوند اپنی بیوی سے اوپنے ہوتا ہے۔

کلیسیا کا سر۔ (دیکھو ۱- ۲۲) مسیح اور اس کی کلیسیا ایک ہیں اور مسیح رہنما ہے۔ **بدن کا بچانے والا۔** مسیح کلیسیا کا نہ صرف سر ہے بلکہ اس کا بچانے والا بھی ہے یہ کلیسیا اعلےٰ اور لاثانی درجہ اور تعلق ہمارا خداوند اپنی امت سے رکھتا ہے۔

۲۴- **ہر بات میں۔** یعنی سارے دنیاوی امور میں۔ بلاریب مسیح سارے روحانی امور میں بھی اعلےٰ رہتا ہے۔

۲۵ سے ۲۷- **اے شوہرو۔** یہ یاد رکھیں کہ شوہروں کو جو نصیحت ہے وہ بھی مناسب اور پرزور ہے۔ دیکھو اپطرس ۳ - ۷- ہر فریق نہ صرف اپنے حقوق کا لحاظ رکھے بلکہ اپنے فرائض کا بھی۔ خود غرضی۔ زبردستی اور زیادتی کا خطرہ زیادہ تر شوہر کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے وہ خود ایثار کی روح ظاہر کرے اور اپنی بیوی سے نرمی اور محبت سے پیش آئے کیونکہ "وہ نازک برتن" ہے اور ہر حالت میں اس کی حفاظت و پرورش کرے اور اگر ضرورت پڑے تو اس کی خاطر جان بھی قربان کرے۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں **میرے۔ تیرے** کی گنجائش نہیں۔

جیسے کہ مسیح۔ شوہر کی محبت جورو سے اس اعلیٰ پیمانہ کی ہونی چاہیئے۔ محض طبعی جذبات پر اس کا دارومدار نہ ہو بلکہ نکاح کے روحانی ہمدردانہ جذبات پر۔ مسیحیوں کی خانگی زندگی میں ہر امر کے لئے مسیح معیار ہو۔ (۱ تھسلنیکیوں ۴ سے ۶)۔

موت کے حوالے کر دیا۔ دیکھو گلتیوں ۲ - ۲۰ + رومیوں ۴ - ۲۵ + ۸ - ۳۲ + ططس ۲ - ۱۴۔

کلام کے ساتھ۔ یعنی پانی کے ساتھ خدا کے کلام کی الٰہی تعلیم بھی ہو (یوحنا ۱۵ - ۳) خاص کر بپتسمہ کا وہ جملہ جب پانی کے ساتھ خدا کا کلام ملتا ہے تو یہ رسم سا کرمنیٹ ہو جاتی ہے ورنہ اکیلا پانی بے سود ہے۔

پانی کا غسل دے کر بپتسمہ کی طرف اشارہ ہے اور شاید دلہن کے غسل کی طرف بھی ایما ہو جو شادی سے پہلے دیا جاتا ہے۔ یہ پاکیزگی اور طہارت کا نشان ہے۔ اس الٰہی شوہر کے لئے دلہن مناسب طور سے تیار کی جاتی ہے۔

جلال والی کلیسیا۔ دیکھو مکاشفہ ۱۹ - ۷ و ۸ اور غزل الغزلات ۴ - ۷ **اپنے پاس حاضر کرے۔** آسمانی دولہا خود اپنی تقدیس شدہ دلہن کو شادی کے وقت خیر مقدم کہتا ہے۔ (۲ کرنتھی ۱۱ - ۲) رسول اس تشبیہ کا بڑا مشتاق معلوم ہوتا ہے۔

پاک اور بے عیب۔ مسیح اپنی دلہن کا نجات دہندہ اور پاکیزہ کرنے والا ہے اس کی بڑی خواہش یہ ہے کہ اس کی دلہن روحانی حسن اور کمال سے مزین ہو۔ تاکہ وہ اپنے خاوند کے لائق بنے جو اس کا بادشاہ اور شوہر ہے کیا ایسے خاوند کو کامل حسین اور پاک دلہن شایاں نہیں؟ بے شک۔ کیونکہ اسی غرض سے اس نے اپنے تئیں قربان کیا۔ دیوحنا ۱۷ - ۱۹ + کلسیوں ۱ - ۲۲ + عبرانی ۹ - ۱۴ - یہوداہ ۲۴ آیت۔

نوٹ:۔ کلیسیا کے بارے میں یہ کیسی عجیب تعلیم ہے۔

۲۸- جیسے مسیح اپنی کلیسیا سے محبت رکھتا ہے ویسے شوہر اپنی بیوی سے محبت رکھے کیونکہ وہ تو ایک دوسرے کا انگ اور جز ہیں اور وہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں

جیسے دو نصف کُرے مل کر ایک کُرہ بن جاتا ہے۔ فی الحقیقت نکاح کے ذریعہ دو ایک ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر حصر رکھتے ہیں۔

۲۹۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شوہر بڑی احتیاط سے بیوی کی پرورش اور حفاظت کرے۔ جیسے اپنے بدن کے اعضا کی کرتا ہے کیونکہ وہ دونو ایک بدن ہیں۔

۳۰۔ دیکھو افسیوں ۴-۲۵ + اکرنتھی ۶-۱۵۔

۳۱۔ یہ پیدائش ۲-۲۴ سے اقتباس ہے نیز دیکھو متی ۱۹-۵ + مرقس ۱۰-۷ و ۸۔

اسی سبب سے۔ کیونکہ شوہر اپنی بیوی کو ایسا پیار کرے جیسے مسیح نے کلیسیا سے کیا اسلئے قدرتی طور پر نکاح سے مُراد لی جاتی ہے کہ آدمی ایک عورت کو پیار کرتا اور اُسے اپنی بیوی بناتا ہے اور سب کو چھوڑ کر اُسی ایک کو چاہتا ہے جب تک موت اُن کو جُدا نہ کرے۔ مسیح نے نکاح کا کامل تصور ہمارے سامنے پیش کیا اور مسیحی خاندان کا یہ کامل تصور اور بیوی کا اعلیٰ درجہ نوعِ انسان اور خاندان کیلئے ایک نیا زمانہ شروع کر دیتا ہے۔

۳۲ یہ بھید بڑا ہے۔ یعنی یہ عجیب و غریب لاثانی رشتہ جو نکاح کے وقت مرد عورت میں پیدا ہو جاتا ہے اس کے گہرے روحانی معنی ہیں اور مسیح اور کلیسیا کے درمیان جو پُراسرار رشتہ ہے اس کا یہ نشان ہے اس رشتے کو کئی دیگر طریقوں سے بھی ظاہر کیا گیا ہے مثلاً وہ کونے کا پتھر ہے اور کلیسیا وہ ہیکل ہے۔ وہ انگور کا درخت ہے اور اس کے شاگرد ڈالیاں ہیں وہ سر ہے اور اس کی اُمت اُس کا بدن اور اُس کے اعضا ہیں۔ لیکن یہاں اس سے بھی زیادہ گہرے رشتے کا ذکر ہے یعنی شوہر اور جورو کے رشتے کا۔ دیکھو غزل الغزلات۔ زبور ۴۵ + یسعیاہ ۵۴-۵ + ۶۱-۱۰ + ۶۲-۴ و ۵ + یرمیاہ ۳-۱۴ + ۳۱-۳۲ + ہوسیع ۲-۲ سے ۲۰ + متی

۹-۱۵ + ۲۵-۱ سے ۱۰ + یوحنا ۳-۲۹ + گلتیوں ۴-۲۱ سے ۳۱ + مکاشفہ ۲۱-۲ و ۹ + ۲۲-۱۷۔

نوٹ ۲۵ سے ۳۲ پ۔ (۱) مسیح اپنی کلیسیا سے محبت رکھتا ہے جیسے شوہر اپنی بیوی سے (۲) اپنے آپ کو اس کی خاطر قربان کرنے کے ذریعہ اس نے گویا اس کو اپنے قیمتی خون سے خرید لیا۔ اور اس لئے وہ اُسی کی ہو گئی (یوحنا ۱۰-۹ + طیطس ۲-۱۴) + (۳) بپتسمہ کے وسیلے روحانی معنی میں کلیسیا پاک صاف ہو کر مسیح کے لائق بن گئی۔ (۴) آخرکار بے داغ۔ کامل اور جلال کی حالت میں وہ مسیح کے سامنے پیش کی جائیگی وہ دن کیسی خوشی و خرمی کا ہوگا!

۳۳۔ اپنے شوہر سے ڈرتی رہے۔ یہاں غلامانہ خوف کا ذکر نہیں بلکہ خودداری چھوڑے بغیر عزت و تعظیم کا۔ بیوی کو چاہیئے کہ باحیا ہو نہ کہ گستاخ اور شوخ چشم۔ اور وہ ان باتوں سے پرہیز کرے جو اس کے شوہر کو ناپسند ہوں جیسے کلیسیا مسیح سے۔

نوٹ:۔ رسول کے دنوں میں عورتیں عموماً ناتعلیم یافتہ تھیں۔

باب ششم۔ ۱ سے ۴۔ والدین اور اولاد کے فرائض

۱۔ خداوند میں۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ کس طبیعت و مزاج سے ہم اپنے بزرگوں (والدین) کی اطاعت کریں۔ اپنے سارے رشتوں میں ہم مسیح کی طرف نظر اٹھائیں اور اس کی مرضی دریافت کریں (۵-۲۱ + ۶-۴ و ۵ و ۶ + کلسیوں ۳-۲۰) اطاعت اولاد کا فرض اولین ہے اور سب سے پہلے اسی فرض کی تلقین بچوں کو ہونی چاہیئے اگرچہ اپنے والدین کے

احکام کو قبول بچہ تاحال ماننے کو تیار نہیں تو بعد زندگی میں وہ خدا کی شرع کے تابع بھی نہ ہوگا۔ اور دنیا میں اس کی جگ ہنسائی ہوگی۔ بعض اوقات مسیحی خاندانوں میں ایسی تربیت کی کمی نظر آتی ہے اور خادمانِ دین کے بارے میں یہ شکایت اکثر سنی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت درستی سے نہیں کرتے۔ یہ بڑا خطرہ ہے جب بچہ بگڑ گیا تو وہ اپنے والدین کے پہلو کا کانٹا ہو جاتا ہے۔

یہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ اخلاقی اور الٰہی شرع دونو کے مطابق ہے خاصکر لڑکوں کو ماؤں بہنوں اور عموماً سب عورتوں کی عزت کرنا سیکھنا چاہیئے۔

۲۔ پس احکام کے دوسرے حصے میں جہاں پڑوسی کے فرائض ہم پہ بتائے گئے ہیں۔ علاوہ یہ پہلا حکم ہے یہ تو مقدم فرض ہے خاندان اور عموماً سوسائٹی کی بہبودی اسی پر موقوف ہے علاوہ ازیں اس سے ایک اہم وعدہ بھی ملحق ہے (خروج ۲۰-۱۲)

۳۔ تاکہ تیرا بھلا ہو۔ دنیا اور خاندانوں کی تاریخ اور تجربے نے اس وعدہ کی بخوبی تصدیق کردی ہے۔ فرزند والدین کی تعلیم پر فرزندانہ عمل کرنا اپنا اجر حاصل کئے بغیر نہیں رہتا کیونکہ اس سے ایسی عادات پیدا ہو جاتی ہیں جن سے خوشحالی۔ کامیابی اور درازی عمر اس دنیا میں حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ غصہ نہ دلاؤ۔ والدین نامناسب الفاظ اور سلوک کے ذریعہ بچوں کو نہ چڑایا کریں۔ اور ان کے ساتھ برتاؤ میں تلوّن اور طرفداری سے کنارہ کریں۔ وہ اپنے بچوں کی حالت سے آگاہ ہوں اور ان سے ہمدردی کریں۔ اور ایسا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں جس کی کہ وہ تقلید کر سکیں۔

تربیت اور نصیحت۔ ایک طرف تو والدین مہربان اور نرم مزاج ہوں۔

دوسری طرف وہ ان سے ایسا پیار بھی نہ رکھیں۔ کہ مناسب اور جائز سزا دینے سے باز رہیں۔ بڑی خبرداری سے ہم بچوں کو فرمانبرداری کی تعلیم دیں۔ اور انہیں سکھائیں کہ وہ مؤدب اور راست گو۔ بے غرض اور اپنے تئیں ضبط کرنے والے ہوں۔ وہ دکھ اور سختی اٹھانے کے عادی بنیں اور بدعادات سے ان کو منع کریں۔ اس کے لئے وہ ابد تک شکر گزار ہوں گے۔ خاندان کلیسیا کی تربیت گاہ ہے اور بچوں کو مسیحی دین کے سارے اصولوں میں تعلیم دینا چاہیئے۔

باب ششم ۵ سے ۹۔ آقاؤں اور نوکروں کے فرائض

۵۔ اے نوکرو۔ نوکر کے واسطے جو یونانی لفظ ہے اس کے معنی غلام ہیں۔ ایشیا کوچک۔ یونان اور روم میں غلاموں کی کثرت تھی۔ قدیم کلیسیا کے شرکا اکثر اسی فریق سے تھے۔ انہوں نے جب یہ سنا کہ مسیحی لوگ برادرانہ محبت آزادی اور مساوات کی تعلیم دیتے ہیں تو بہتوں نے مسیحی دین کو قبول کر لیا۔ ان کی حالت بہت امور میں ایسی ہی تھی جیسے آجکل اچھوتوں کی ہے۔ لیکن بعضوں کو عزت و ذمہ داری کے عہدے بھی حاصل تھے۔ مسیحی دین کی روح غلامی کے خلاف تھی اور آخرکار ایک دن اس نے اسے ملیامیٹ بھی کر ڈالا مگر رسول نے اس معاملہ کا ذکر بڑی دانائی سے کیا۔ (۱-کرنتھی ۷-۲۱و۲۳ + فلیمون ۱۶) وہ غلامی کو پسند تو نہیں کرتا لیکن وہ قبل از وقت اس کے خلاف جہاد کی صلاح بھی نہیں دیتا۔ سارے نوکروں کو وہ یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کے فرمانبردار رہیں اور ایسی ہر خدمت کو وہ ایسا سمجھیں کہ گویا وہ مسیح کی کر رہے ہیں اس ملک میں یہی نصیحت دیہاتی مسیحیوں کے لئے درکار ہے

اس کمینہ کام کو بھی اس نے عزت اور خوشی کا باعث ٹھہرایا۔ ہمارا خداوند خود ہماری خاطر غلام بن گیا۔ (دیکھو کلسیوں ۳-۲۲ و ۲۳ + ۱ کرنتھی ۷-۲۱ و ۲۲ + ۱ تیتھیس ۹-۱۰ + فلپیوں ۲-۷)

۶۔ دکھاوے کیلئے۔ یعنی ظاہری طور پر خدمت انجام۔ نوکروں میں یہ بہت عام نقص ہے۔ یہ تو کام چوری ہے کہ جب آقا سامنے نہ ہو تو وہ سست ہو جاتے ہیں اپنے مالکوں کی فرمانبرداری کرنے میں نوکر مستعد اور سرگرم ہوں کیا ہماری عبادت بھی ایسی ہے؟

مسیح کے بندوں کی طرح مسیح کی غلامی حقیقت میں خوشوقتی ہے جو نوکر مسیح کے بندے ہیں وہ اپنی خدمت دل سے پوری طرح بجا لائینگے گویا کہ وہ مسیح کے لئے کر رہے ہیں (دیکھو ۵-۲۱ + ۱ تیتھیس ۶-۱ + گلتیوں ۱-۱۰)

خدا کی مرضی۔ یہ خدا کی مرضی ہے کہ ہم اپنے سارے فرائض کو خواہ وہ کیسے ہی ادنے اور کمینہ ہوں بڑے صبر۔ ایمانداری سے ویسے ہی بجا لائیں جیسے مسیح بجا لایا۔

۷۔ صرف وہی خدمت قدر کے لائق ہے جو رضامندی سے ٹھیک طور پر اس نیت سے کی جائے کہ وہ مسیح کو پسند آئے اور ہم یاد رکھیں کہ وہی ہمارا ممتحن اعلے ہے اور ہر ایک آدمی کے کام کو پرکھتا ہے۔

۸۔ ہر ایک مسیحی کو جو نیک نیتی پر محبت خدمت کی ہے خداوند سے اجر پانے کی قیمتی امید ہے (دیکھو متی ۵-۱۲ + ۶-۱ تا ۴ + ۱۹ سے ۲۷ + ۲۵-۲۱ و ۲۳ + لوقا ۶-۳۵ + ۱۴-۱۴ + رومیوں ۲-۶ سے ۱۰ + ۲ کرنتھی ۵-۱۰ + عبرانی ۱۰-۳۵ + مکاشفہ ۲۲-۱۲) دنیاوی اجروں کے مقابلہ میں آسمانی اجر کیسے اعلٰی اور تسلی بخش ہونگے۔

۹۔ اب رسول مالکوں سے مخاطب ہے۔ اپنے نوکروں سے اچھی طرح سلوک کرو جیسا کہ تم اُن سے سلوک چاہتے ہو۔ مسیحی مالک اپنے نوکروں سے منصفانہ بے طرفدارانہ اور مہربانانہ

سلوک کریں۔ علاوہ ازیں مالک یہ بھی یاد رکھیں کہ آسمان میں ان کا بھی ایک مالک ہے اور کہ خدا کی نظر میں سارے آدمی برابر ہیں اور سب کا مساوی حق ہے (امثال ۲۲-۲) مسیح کے تخت عدالت کے آگے۔ مالک اور غلام۔ بادشاہ و رعیت غریب و امیر ایک ساتھ کھڑے ہونگے۔ مالک اور نوکر ایکدوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھیں اور یسوع مسیح کے سنہری قانون کے مطابق عمل کریں۔ اسی آقائے عظیم کی محبت ہر ایک طبقے کے لوگوں کو باہم پیوست کر دیگی

نوٹ:۔ صرف اسی طریقے سے سرمایہ داروں اور مزدوروں کی مشکلات حل ہو سکتی ہیں

باب ششم ۱۰ سے ۱۲۔ مسیحی شخص کی روحانی جنگ اور اسلحہ

۱۰۔ مضبوط ہو۔ خدا کی مدد سے ہر مسیحی یہ کوشش کرے کہ مضبوط مردانہ شخصی سیرت پیدا ہو۔ خواہ اس کے لئے ناقابل بیان خود انکاری خود ضبطی اور سخت محنت ہی کرنی پڑے۔ یشوع ۱-۶ + ۱-۷ + ۱۰-۲۵ + ۱ سموئیل ۴-۹ + زبور ۵۹-۱۷ + یسعیاہ ۴۱-۱۰ + ۱ کرنتھی ۱۶-۱۳ + ۱ پطرس ۵-۸) اس جنگ میں ہم بہادر نہیں۔ جو اس لڑائی سے گریز کرتا ہے وہ بزدل نمک حرام ہے۔

۱۱۔ سب ہتھیار۔ ہمارے دشمن ایسے زبردست اور طاقتور ہیں کہ انسانی قوت اُن پر غالب آنے کے لئے کافی نہیں اور ہمیں کامل اسلحہ درکار ہیں اور وہ صرف خدا ہی ہم پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر خدا ہماری طرف ہو تو ہم شکست نہیں کھا سکتے باندھ لو۔ دیکھو رومیوں ۸-۳۱ + ۱۳-۱۲ و ۱۴ + گلتیوں ۳-۲۷ + ۱ تھسلنیکیوں ۵-۸ + یسعیاہ ۵۹-۱۷۔ سپاہیانہ روح رکھنا ہی کافی نہیں بلکہ سپاہی کو اسلحہ بھی درکار ہے۔

ابلیس۔ (۲-۲ + ۴-۲۷) آدمیوں کی روحوں کا بڑا دشمن ہے بائبل میں اکثر وہ

شیطان کہلاتا ہے اسکے معنی مدعی اور مخالف کے ہیں اور اسکی شخصیت ہمیشہ تسلیم کی گئی۔
وہ بدروحوں کا سردار ہے اور ہمارے خداوند یسوع مسیح کا خاص دشمن اور حریف ہے۔
وہ ہر طرح کے حیلے و مکر سے پُر ہے اور ہمیشہ طرح طرح کی عیاریاں اور مکاریاں
سوچتا رہتا ہے جن کے ذریعہ کہ وہ انسان کو پھانس سکے اور اس خدا کی حکومت کو الٹ دے
"قائم رہ سکو۔ اس مقام کا یہ خاص مضمون ہے۔ اس روحانی جنگ میں سب سے ضروری بات
یہ ہے کہ ہم پورے طور سے مستعد رہیں اور اپنی جگہ سے نہ سرکیں مسیحی شکست خوردہ زندگی پر
قناعت نہ کرے اگر کبھی وہ زمین پر گر بھی پڑے تو پھر اُٹھ کھڑا ہوگا اور پہلے سے زیادہ قائم رہیگا
۱۲۔ دراصل ہماری جنگ ایک روحانی جنگ ہے ہم کو محض انسانی دشمنوں سے ہی مقابلہ نہیں
جو ہمارے روبرو آسکتے ہوں بلکہ ہمارے دشمن غیر مرئی ہیں جنکا ہم اپنے ظاہری حواس
سے ادراک نہیں کرسکتے اسلئے اُن کا مقابلہ اور بھی مشکل ہے۔ اُن سے ہم جسمانی
مادی ہتھیاروں سے لڑ نہیں سکتے (۲ کرنتھی ۱۰: ۳ سے ۵) جن دشمنوں کا بیان ذکر
ہے وہ مختلف قسم اور درجے کی بدروحیں ہیں۔ وہ مغرور۔ ظالم۔ پُر شہوت اور
حاسد ہیں۔ یہ نادیدہ دشمن ہم پر برابر حملہ کرتے رہتے ہیں اور اکثر انسانوں ہی
کی وساطت سے اپنا کام کرتے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ خداوند مسیح نے ان کا زور
توڑ ڈالا ہے (دیکھو ۱-۲۱ + ۲-۱۰ کے نوٹ) مسیحیوں کو ان بدروحوں سے وہم و
وسواس کا خوف نہیں چاہیئے۔ لیکن پھر بھی تجربہ یہ سکھاتا ہے کہ وہ بدی کی نادیدہ
طاقتیں ہیں جن کے ساتھ ہم کو سخت جنگ کرنا ہے۔
آسمانی مقاموں میں۔ اس خط میں یہ جملہ پانچویں دفعہ آیا ہے (۱-۳ + ۱-۲۰ + ۲-۶ + ۳-۱۰) اس سے وہ نادیدہ طبقہ مُراد ہے جو زمین سے پرے ہے۔

جس کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ ٹھیک بدروحوں کی جگہ ہے۔ بڑا میدان جنگ کچھ تو زمین پر ہے
اور کچھ نادیدہ جہان میں بلکہ اعلیٰ روحانی حلقوں میں بھی جہاں نور اور تاریکی کی باقاعدہ سپاہ
جنگ میں مصروف ہے اور ہر ایک غالب آنے کی جد و جہد میں ہے۔
۱۳۔ باندھ لو۔ کامل اسلحہ الٰہی جو استعمال کے لئے تیار ہے وہ مسیحی سپاہی کے سامنے
دھرا ہے وہ اُسے اٹھا کر مسلح ہو جائے اور اس کو ٹھیک طور سے استعمال کرے نہ ایک
دو ہتھیاروں کو بلکہ سارے ہتھیاروں کو استعمال کرنا چاہیئے بنین صاحب نے مسیحی مسافر میں
مسیحی کے ہتھیاروں کا اور شیطان کے ساتھ جنگ کا مفصل بیان ہے۔ بہت لوگ آزمائش
کے وقت گر جاتے ہیں کیونکہ وہ ٹھیک طور سے تیار نہیں ہوتے
بُرے دن میں یعنی جن میں تم بری طرح سے گھرے ہو یا اس جنگ کے نازک
موقعے۔ خاص آزمائشوں اور امتحانوں کے اوقات۔ ہر شخص کو ایسے موقعوں کا تجربہ ہوا ہوگا۔
"قائم رہ سکو۔ خدا کے ہتھیار پہن کر مسیحی شخص اپنی جگہ پر قائم رہ سکیگا اور جنبش نہ کھائیگا۔
اور آخر کار فتحیاب ہوگا۔ اگر ہم سست یا کاہل۔ ڈھیلے یا بے دل ہونگے تو ہم شکست پائینگے۔
۱۴۔ رسول نے سات ہتھیاروں کا ذکر کیا ہے جو جارحانہ اور حفاظتی ہتھیار ہیں۔ یہ کسی
انسانی کارخانے میں گھڑے نہیں جاتے۔ اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
سچائی۔ راست یقین۔ دیانتداری اور کامل نیک نیتی۔ یہ وہ کمربند ہے جو طاقت اور
استقلال کا نشان ہے۔ کشتی کے شروع میں کمر کسنا ہے (خروج ۱۲-۱۱ + ایوب ۳۸-۳
+ ۴۰-۷ + زبور ۱۸-۳۹ + یسعیاہ ۱۱-۵ + لوقا ۱۲-۳۵ + ۱ پطرس ۱-۱۳) سچائی کامیابی کا راز ہے۔
راستبازی۔ اس سے مسیحی کی شخصی سیرت صداقت مراد ہے اس سے یہ مراد بھی ہے کہ وہ
خدا کی مرضی نمک حلالی اور ایثار نفسی سے بجا لاتا ہے اور کہ اس کو پورا علم ہے کہ اس کا دل خدا

کی نظر میں راست و درست ہے جو راستبازی ایمان کے وسیلے خدا کی طرف سے ہے اُس کے ذریعہ شیطان کے مہلک حملوں کا جو دائیں بائیں سے ہم پر ہوتے ہیں پورے طور پر مقابلہ کر سکتے ہیں (رومیوں ۶-۱۳+۱۴-۱۷+۲ کرنتھی ۶-۷+۹-۹ و ۱۰+۱ افسیوں ۴-۲۴+۵-۹ فلپیوں ۱-۱۱+ تیمتھیس ۲-۶-۱۱)

بکتر حفاظتی ہتھیاروں میں سے بڑا ہتھیار ہے اور اس سے دل اور دیگر اعضائے رئیسہ کی حفاظت ہوتی ہے۔

۱۵- صلح کی خوشخبری - سچے سپاہی کے دل میں کامل اطمینان ہوتا ہے خواہ وہ میدانِ جنگ میں ہی کیوں نہ ہو اور وہ اُن کے لئے جو اُسے قبول کریں صلح اور اطمینان اور خوشنودی و رضامندی کا ایلچی ہے۔ بلکہ اس کے جنگ کی یہی غرض ہے کہ صلح قائم کرے (یسعیاہ ۵۲-۷+ نحوم ۱-۱۵+ رومیوں ۱۰-۱۵)۔ جس جہان میں یہ شور و ہنگامے برپا ہیں اس کے لئے اس سے بہتر پیغام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کو صلح کی خوشخبری ملے جس سے ساری لڑائی موقوف ہو جائے۔

تیاری کے جُوتے - استقلال کے جُوتوں سے پاؤں محفوظ ہونے چاہئیں تاکہ سپاہی پھرتی سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک نقل و مقام کر سکیں بلکہ مسیحی جنگجوؤں میں بھی چل سکیں۔ مسیحی شخص اچھی طرح تیار ہو تاکہ وہ مسیح کے لئے گواہی دے سکے اور جہاں کہیں اور جب کبھی ہو سکے اس کا پیغام پہنچا سکے۔ (۲ تیمتھیس ۴-۲+ رومیوں ۱-۱۵) یعنی خوشخبری سنانے کو بخوبی مستعد ہو

۱۶- ایمان - اس سے ایسا ایمان مراد ہے جو مطلقاً خدا پر بھروسہ رکھتا ہے [illegible] آزمائش اور مشکلات میں (۱ یوحنا ۵-۴) آزمائش کے نازک اوقات میں ذاتی حفاظت اس میں نہیں کہ ہم اپنے اندر نظر ڈالیں بلکہ اپنے سے الگ باہر کی طرف نظر ڈالیں یعنی

اپنے سپہ سالار اور پیشوا مسیح کی طرف - اس سے چمٹے رہیں - اسی سے فریاد کریں اور اسی سے ہر طرح کی مدد اور مخلصی کی امید رکھیں - بھروسے اور محبت کا راز ایمان ہے جسے ایمان حاصل ہے وہ ساری آزمائشوں اور مشکلات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

سپر - یہ ایک بڑی ڈھال تھی جس سے سر کے سوا سارا بدن چھپ جاتا تھا - اور بہت مضبوط ہوتی تھی - ڈھال کے بغیر سپاہی دشمن سے اپنی حفاظت نہ کر سکتا تھا - ویسے ہی ایمان کے بغیر ہم یقیناً ناکامیاب ہونگے۔

اُس شریر - ہمارا بڑا حاسد دشمن -

جلتے ہوئے تیروں کو - قدیم زمانوں میں اکثر تیروں کے سروں پر آگ لگنے والا مصالحہ لگاتے تھے - اسی طرح بے ایمانی - ناپاک خیالات - شہوت رانی کی ناگہاں اور سخت آزمائشوں اور غیظ و غضب کے جلتے تیر ہم پر برسائے جاتے ہیں اور بدنامی تہمت اور ایذا رسانی کے تیروں کی بوچھاڑ دشمن ہم پر کرتا ہے۔

بجھا سکو - خدا پر سادہ ایمان اور بے چون و چرا بھروسہ اور متواتر اپنے خداوند سے فریاد کرنا ہم کو ان جلتے تیروں سے محفوظ رکھیگا - برعکس اس کے اپنے آپ پر بھروسہ رکھنا اور بے پروائی ہمیں شکست فاش دلائیں گے۔

۱۷- نجات کا خود - سر کو خاص حفاظت کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں مغز اور ادراک و احساس کے آلات پائے جاتے ہیں - اس لئے خدا یہ چمکدار خود بطور انعام ہمیں عطا کرتا ہے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہم کو نجات مل گئی ہے اور ہم خدا کے برگزیدوں میں شمار ہو گئے ہیں اس لئے ہم اپنے سروں کو ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رکھ سکتے ہیں (۱ تھسلنیکیوں ۵-۸+ یوحنا ۵-۱۳)

رُوح کی تلوار - (یسعیاہ ۱۱-۱۴ + عبرانی ۴-۱۲) حملہ کرنے کا یہ خاص اوزار ہے اگر مسیحی کے پاس یہ اوزار ہے تو وہ نہ صرف اپنی حفاظت کرسکیگا بلکہ وہ دشمن پر بڑے زور سے حملہ کریگا تاکہ اس کو بھگا دے وہ اس تلوار کو اپنے میان سے نکالے اور تاریکی کی فوجوں پر زور سے حملہ کرے - روح القدس نے یہ تلوار بنائی ہے اور اس کا عمدہ استعمال مسیحی شخص کو سکھاتا ہے ہم کو کسی دوسری تلوار کی ضرورت نہیں -

خدا کا کلام - یہ دو دھاری تلوار ہے جسے خود ہمارے خداوند نے استعمال کیا اور اس کے رسولوں نے اسے برتا (لوقا ۴-۱ سے ۱۳ + عبرانی ۴-۱۲ + ۲ تھسلنیکیوں ۲-۸) ہمارے لئے اس کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا - کہ انہوں نے اس تلوار کو کیسے استعمال کیا - ہم خدا کے کلام کو حفظ کرلیں - کیونکہ جو شخص اس تلوار کو حسب موقعہ استعمال کرسکتا ہے اس کو اپنے دشمنوں کے قائل اور خاموش کرنے کیلئے بڑی قوت مل جاتی ہے - اور وہ آزمائشوں پر غالب آسکتا ہے - جنگ کے موقعہ سے پیشتر اور نازک وقت کے آنے سے پہلے ہم اس اوزار کے استعمال کی مہارت حاصل کرلیں -

۱۸- دُعا ایک لازمی اور زبردست روحانی اوزار مسیحی جنگ کیلئے ہے بعینہ جیسے خدا کا کلام ہے اگر یہ اوزار ہمارے ہاتھ میں نہ ہوگا تو باقی سب اوزار بے کار اور بے سُود ٹھہرینگے - چونکہ دُعا ایک مقررہ وسیلہ اور راستہ ہے کہ جس کے ذریعہ الٰہی قدرت - ہمت اور حکمت ہمارے دلوں میں آتی ہے - اس لئے ہم دُعا میں ہمیشہ خدا کی طرف نظر اٹھائے رکھیں اور مدد کے لئے صرف اسی سے فریاد کرتے رہیں - دُعا نہایت ہی قیمتی ہتھیار ہے جس کو ہم کما حقہٗ استعمال نہیں کرتے -

ہر وقت - زندگی کے ہر واقعہ اور آزمائش کے وقت (۱ تھسلنیکیوں ۵-۱۷ + لوقا

۱۸-۱ + فلپیوں ۴-۶ + کلسیوں ۱-۳ و ۹ + ۴-۲ - متی ۲۶-۴۱) دعا تو ہماری عادت ہوجانا چاہیئے - بلکہ ہر وقت ہمارے دل اور ہماری توجہ خدا کی طرف لگی رہے -

ہر طرح سے - یعنی ہر طرح کی دعا خواہ دعائے عام ہو یا خلوتی - خواہ تنہائی میں ہو یا جماعت کیساتھ مقررہ اوقات اور مقامات میں ہو یا ہر وقت و ہر جگہ جہاں موقعہ ملے - گھر میں ہو یا باہر - ہمیشہ رُوح میں دعا مانگتے رہیں - اور ہم اپنے دلوں اور روحوں کے دریچے آسمان کی طرف کھلے رکھیں تاکہ ہم اپنے مہربان آسمانی باپ کی نعمتوں کو حاصل کرتے رہیں -

رُوح میں - حقیقی دعا جہالت اور اندھے پن کی دُعا نہیں بلکہ وہ ہمیشہ رُوح القدس کے الہام اور اُسکی مدد سے ہوتی ہے (زکریاہ ۱۲-۱۰ + رومیوں ۸-۲۶ + یہوداہ ۲۰ آیت)

جاگتے رہو - سپاہی کے لئے یہ ہدایت بھی خاص طور سے مناسب اور ضروری ہے - "جاگتے رہو - اور دعا مانگو تاکہ تم آزمائش میں نہ پڑو" - حقیقی دعا سرگرمی جوش اور استقلال کے ساتھ ہوتی ہے نہ سُستی بے پروائی یا محض طوطے کی طرح رٹنے سے (متی ۲۶-۴۱ + کلسیوں ۴-۲ + ۱ پطرس ۴-۷ + یعقوب ۱-۶ + ۵-۱۷)

اے عزیز ہمیشہ اپنی حفاظت کرو سُست اور بے پروا نہ ہو جاؤ - کیونکہ سخت جنگ جاری ہے یہ دیکھا گیا ہے کہ جب آدمی ادھیڑ عمر کا ہوجاتا ہے وہ اکثر کاہل ہوکر سرگرمی کھو دیتا ہے -

سب مقدسوں کے واسطے - دُعا میں ہمارے خیالات ہر جگہ ان مسیحیوں کی طرف بھی جائیں جو ہماری مدد اور ہمدردی کے محتاج ہیں کیونکہ ہم اکیلے اس جنگ میں شریک نہیں - بلکہ ایک بڑے لشکر سے علاقہ رکھتے ہیں -

مقدسوں کی شراکت کا یہ ضروری جزو ہے۔ ایک دوسرے کے لئے سفارشی دُعا بہت مفید اور ضروری ہے۔ اس طریقے سے ہم مسیح کے کاہنی کام میں شرکت حاصل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہوتے ہیں (۱ پطرس ۲-۵) دیکھو رسول کی دُعائیں افسیوں ۱-۱۵ اور ۳-۱۴ میں۔

بلاناغہ۔ یعنی اگر دُعا کا جواب ملنے میں دیر ہو جائے تو ہم بے ہمت ہو کر تھک نہ جائیں۔ خدا کے ساتھ ہماری شراکت ویسے ہی بے روک ٹوک ہو جیسے ٹیلی گرام یا ٹیلی فون کے ذریعہ ہوتی ہے۔

۱۹۔ میرے لئے۔ رسول نے جب یہ دیکھا کہ وہ لڑائی کی صف میں کھڑا اور سخت حملوں کا سامنا ہے۔ تو اس نے اپنے لئے سفارشی دُعا کی خاص ضرورت محسوس کی (رومیوں ۱۵-۳۰ + ۲ کرنتھی ۱-۱۱ + فلپیوں ۱-۱۹ + کلسیوں ۴-۳ تھسلنیکیوں ۳-۱) اس نے اس موقعہ کی مشکلات و نازک حالت کو معلوم کر کے اپنے سارے بھائیوں سے درخواست کی تاکہ اس کے لئے دعا کریں تاکہ روح القدس سے مدد پا کر بڑی دلیری اور حکمت سے اپنے پیغام کو پہنچا سکے (متی ۱۰-۱۸ تا ۲۰ + فلپیوں ۱-۲۰) خاص کر خادمانِ دین کو اس بات کی ضرورت ہے کہ خدا کے لوگ ان کے لئے دُعا کریں۔

۲۰۔ زنجیر سے جکڑا ہوا۔ غالباً جو سپاہی اس کا محافظ تھا اس کے ساتھ اس کی زنجیر بندھی تھی (فلپیوں ۱-۷ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۶ + کلسیوں ۴-۱۸ + فلیمون ۱۰ و ۱۳) ممکن ہے کہ بندش میں برکت ہوتی ہے اور کہ اکثر ہماری بندش کا وقت خدمت کے لئے ہمارا اچھا موقعہ ہوتا ہے۔

ایلچی۔ بڑے بادشاہ کا ایک جکڑا ہوا ایلچی۔ کیا ہی عجیب ماجرا ہے! (۲ کرنتھی ۵-۲۰ + ۲ تیمتھیس ۴-۶ و ۷)۔

مجھ پر فرض ہے۔ (۱ کرنتھی ۹-۱۶) یہ عجیب خیال ہے کہ یہ معزز رسول اور ایلچی جو مسیح کی فوج میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے وہ ایک سپاہی کے ساتھ زنجیر سے جکڑا ہوا ہے لیکن اس کے دُکھوں کا یہ وقت بڑی خدمت کا موقعہ تھا۔ اس کے ہاتھ تو جکڑے تھے لیکن اس کی عقل و روح جکڑے نہ تھے۔

باب ششم ۲۱ و ۲۲۔ تخکس کی خدمت

۲۱۔ تخکس۔ یہ ایشیائے کوچک کا باشندہ غالباً افسس کا رہنے والا تھا (اعمال ۲۰-۴ + کلسیوں ۴-۷ + ۲ تیمتھیس ۴-۱۲ + طیطس ۳-۱۲) یہ پولس رسول کا رفیق تھا اور اس کی وفاداری اور خدمت کے وسیلے رسول اس کو بہت پیار کرتا اور اس پر اعتبار رکھتا تھا۔ اب خط دیکر رسول نے اسکو ایشیائے کوچک کو روانہ کیا

خادم۔ لفظی طور پر ڈیکن (دیکھو ۳-۷) یہاں بھی خدمت میں وہ رسولوں کا ہم خدمت تھا۔

خداوند میں۔ یہ مشہور جملہ اب آخری دفعہ استعمال ہوا ہے۔

باب ششم ۲۳ و ۲۴۔ برکت کا جملہ

۲۳۔ اور ۲۴ آیات کے نوٹ دیکھو۔ رسول سارے مسیحی بھائیوں کے لئے خاص برکتیں طلب کرتا ہے یعنی اطمینان اور محبت ان کے ایمان کے ساتھ۔ ایمان

بلا محبت نکما ہے اور محبت کے بغیر کوئی اطمینان بھی نہیں ہو سکتا۔

۲۴- **لازوال محبت** - یعنی ایسی محبت جو کبھی نیست نہیں ہو سکتی۔ کاش کہ مسیح سے ہماری محبت ہمیشہ تازہ اور پختہ رہتی - کیونکہ جب ہم ناکارہ تھے اس نے ہم سے محبت رکھی اور اپنے تئیں ہمارے بدلے دیدیا۔

سوالات:- (۱) پولس کی محبت رسول سے کیسی پختہ تھی (۲) مکاشفہ کی کتاب میں افسس کی کلیسیا کے خلاف یہ شکایت تھی کہ انہوں نے اپنی پہلی محبت چھوڑ دی تھی - ہمارا حال کیا ہے ؟

محبت اور فضل - دو عمدہ اور مناسب الفاظ ہیں جن پر کہ پولس رسول کا یہ اعلے مقدم اور پر مضمون خط ختم ہوتا ہے۔

اے خدا ہم تیرا شکر کرتے ہیں کہ تو نے اپنے بندے پولس کی معرفت یہ الہام کا کلام ہمیں بخشا - آمین -

تمام شد